الھدیٰ (203)

سورۃ النساء (آیات 54 تا 57)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَھُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُھُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾ ﴾

’’یا جو اللہ نے لوگوں کو اپنے فضل سے دے رکھا ہے‘ اس کا حسد کرتے ہیں۔ تو ہم نے خاندان ابراہیمؑ کو کتاب اور دانائی عطا فرمائی تھی اور سلطنت عظیم بھی بخشی تھی۔ پھر لوگوں میں سے کسی نے تو اس کتاب کو مانا اور کوئی اس سے رکا (اور ہٹا) رہا‘ تو اُن نہ ماننے والوں (کے جلانے کو) دوزخ کی جلتی ہوئی آگ کافی ہے۔ بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا‘ اُن کو ہم عنقریب آگ میں داخل کریں گے۔ جب اُن کی کھالیں گل (اور جل) جائیں گی تو ہم اور کھالیں دیں گے تاکہ (ہمیشہ) عذاب (کا مزہ) چکھتے رہیں۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے‘ اُن کو ہم بہشتوں میں داخل کریں گے‘ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں اُن کے لیے پاک بیبیاں ہیں۔ اور اُن کو ہم گھنے سائے میں داخل کریں گے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ قرآن اپنے آخری نبی پر اتارا اور ’’اُمیین‘‘ کو دیا‘ جنہیں یہ اہل کتاب حقیر سمجھتے تھے۔ اس بات نے ان کے دلوں میں حسد کی آگ جلا دی ہے کہ قرآن کیوں امیین کے ہاں اترا۔ ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب عطا فرمائی‘ حکمت بھی دی اور انہیں بڑی بڑی حکومتیں بھی دیں۔ یعنی اے اہل کتاب تمہیں توریت‘ انجیل ملی‘ تو یہ بھی ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہونے کے ناطے ملی تھی۔ یہ ضرور ہے کہ بنی اسرائیل کو کتاب علیحدہ ملی اور حکمت علیحدہ۔ توریت الگ تھی‘ انجیل الگ‘ مگر قرآن میں کتاب وحکمت کو بتمام وکمال ایک جگہ جمع کر دیا گیا۔ اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ جیسے بنی اسرائیل کو عظیم مملکت دی گئی تھی‘ اب ہم ان مسلمانوں کو اس سے بڑا ملک دیں گے۔ یہ مضمون سورۃ النور میں آئے گا‘ جہاں آیت نمبر 55 میں ہے کہ ہم لازماً اہل ایمان کو دنیا میں وہ حکومت اور خلافت عطا کریں گے جیسی پہلوں کو عطا کی تھی۔

پھر ان بنی اسرائیل میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو ایمان لے آئے ہیں یا لے آئیں گے‘ اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو رک گئے ہیں۔ ان رکنے والے لوگوں کے لئے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کافی ہے۔ یقیناً وہ لوگ جو ہماری آیات کا انکار کریں گے‘ ایک وقت آئے گا کہ ہم انہیں آگ میں جھونک دیں گے۔ وہاں عذاب کی صورتِ یہ ہوگی کہ جب بھی اور جیسے بھی ان کی کھالیں جھلس کر جل جائیں گی‘ ہم انہیں نئی کھالیں دے دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔ یہ ایک طبی حقیقت ہے کہ تکلیف کا احساس جلد کو ہوتا ہے۔ جلد ہی ’’sensitive‘‘ ہوتی ہے۔ لہٰذا جب جلد جل جائے گی تو انہیں نئی جلد دے دی جائے گی تاکہ سوزش مسلسل رہے‘ اور جلن کا احساس برقرار رہے۔ اس میں کمی نہ ہونے پائے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست‘ کمال حکمت والا ہے۔

اب تقابل کے لیے ان کے متضاد یعنی اہل جنت کا ذکر ہوا۔ فرمایا‘ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے‘ عنقریب ہم انہیں باغات میں داخل کریں گے‘ جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اس میں اُن کے لیے بڑی پاک باز بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں داخل کریں گے گھنی ٹھنڈی چھاؤں میں۔

فرمانِ نبویؐ

باپ کی دعا قبول ہوتی ہے

چودھری رحمت اللہ بٹر

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ((ثَلَاثُ دَعْوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ‘ لَاشَکَّ فِیْھِنَّ‘ دَعْوَۃُ الْوَالِدِ وَدَعْوَۃُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَۃُ الْمَظْلُوْمِ)) (ابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’تین دعاؤں کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ باپ‘ مسافر اور مظلوم کی دعا۔‘‘

قرآن اکیڈمی لائبریری
K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

تاریخ مسخ نہ کریں

یروشلم جسے ہم القدس شریف کہتے ہیں' کے مقدس شہر کی قسمت سے زیادہ کوئی بھی حساس مسئلہ نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا شہر ہے جو یہودیوں' عیسائیوں اور مسلمانوں کے لیے مقدس ہے۔ یہ اسلام کا قبلہ اول ہے۔ خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروقؓ نے 14 سو سال پہلے بیت المقدس میں داخل ہونے کے بعد پہلا حکم یہودیوں کی 5 سو سالہ جلاوطنی کو منسوخ کرنے کا دیا تھا۔ انہوں نے انہیں واپس آکر مقدس شہر میں اپنے گھر تعمیر کرنے کی دعوت دی تھی۔ اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے درمیان درحقیقت اسرائیل اور مسلم دنیا کے درمیان پائیدار امن اور ہم آہنگی کے لیے اسرائیل کی طرف سے مصالحت اور حقیقت پسندی جیسے جذبے کی ضرورت ہے' کوئی بھی حتمی تصفیہ یروشلم کی بین الاقوامی ہیت اور بین الاقوامی قانون اور سلامتی کونسل کی قراردادوں کے احترام پر مبنی ہونا چاہیے۔ میرا ہمیشہ یہ یقین رہا ہے کہ سمجھوتے کے لیے جرأت درکار ہوتی ہے' اور مصالحت محاذ آرائی سے کہیں زیادہ عظیم تر ہوتی ہے۔ میں اسرائیل سے اپیل کروں گا کہ اِس جرأت کا مظاہرہ کرے۔ میں امریکی یہودی کانگرس اور یہودی کیمونٹی سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ فلسطینی تنازعے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے اپنے خاطر خواہ اثر و رسوخ کو بروئے کار لائے' اور مشرق وسطیٰ بلکہ پوری دنیا میں امن و آشتی کے دور کا آغاز کرے۔ اب ہم ناکامی کے متحمل نہیں ہوسکتے۔

یہ صدر مشرف کے امریکن جیوئش کانگرس سے اُس خطاب کا اقتباس ہے' جسے ہمارے ملک کے نامور دانشور اور کالم نگار ایک تاریخی خطاب کہہ رہے ہیں۔ یہ دانشور حضرات قصوری شیلون ملاقات اور صدر کے امریکن جیوئش کانگرس سے خطاب کی مخالفت کو مذہبی عناصر کا فکری اور نظری سانحہ قرار دیتے ہیں۔ ہم اصولی طور پر کسی قوم یا گروہ سے ڈائیلاگ کرنے کے مخالف نہیں ہیں' لیکن قرآنِ حکیم نے جس طرح پندرہ سو سال پہلے یہودیوں کے خلاف ایک چارج شیٹ تیار کر کے آنے والی انسانی نسل کو اُن کی سرشت سے آگاہ کیا ہے اور وقفے وقفے سے تاقیامت اُن پر تازیانے برسنے کی پیش گوئی کی ہے' اِس بارے میں ہمارے لیے قرآن حکیم کا فرمودہ اٹل اور پتھر پر لکیر ہے' لیکن صدرِ محترم تاریخ پر بھی ایک سرسری نگاہ ڈالیں۔ اُس کا ہر ہر ورق گواہی دے رہا ہے کہ یہودی محسن کش ہیں' اور ہر دور میں آستین کے سانپ ثابت ہوئے ہیں۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ حکمرانوں نے مذہب کو بھی ہمیشہ اپنے اقتدار کی سلامتی اور طوالت کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایوب خان کو 65ء میں امریکی دباؤ پر مقصد حاصل کیے بغیر بھارت سے جنگ بندی کرنی پڑی' تو انہوں نے قرآن کی اُس آیت کا سہارا لیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب دشمن صلح کے لیے رضامندی کا اظہار کرے تو تم بھی ہتھیار رکھ دو۔ نواز شریف کو کارگل کے مسئلہ پر بھارت سے توہین آمیز معاہدہ کرتے ہوئے صلح حدیبیہ یاد آئی تھی۔ اب مشرف کے دل میں یہودیوں کی محبت موجزن ہوئی ہے' یا یوں کہہ لیں کہ وہ جان گئے ہیں کہ اب تل ابیب کو راضی کیے بغیر واشنگٹن کو راضی نہیں کیا جاسکتا' تو انہیں فتح یروشلم کے وقت حضرت عمرؓ کا یہودیوں سے رویہ اور اسلوب یاد آ گیا ہے۔

یہاں یہ واضح کر دینا ہمارا دینی اور ملی فریضہ ہے کہ حضرت عمر نے بیت المقدس میں یہودیوں کو داخلے کی اجازت تو دی تھی' انہیں یروشلم میں باقاعدہ آباد ہونے کی اجازت ہرگز نہیں دی تھی۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ یونانی جو مسلمانوں کے حقیقی دشمن تھے' انہیں وہاں رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ لیکن یہ اجازت یہودیوں کو نہیں ملی تھی۔ لہٰذا صدر مشرف جو یہودیوں کے جال میں پھنسنے کے لیے خود شکارگاہ کی طرف بڑھ رہے ہیں' اُن سے ہماری گزارش ہے کہ یہودیوں کو خوش کرنے کے لیے تاریخ مسخ نہ کریں۔ (بقیہ صفحہ 15 پر)

"تا خلافت کی بناء' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 14 — شمارہ 35
22 تا 28 ستمبر 2005ء
17 تا 23 شعبان المعظم 1426ھ

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
فرقان دانش خان۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
ادارتی معاون: فریداللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بالِ جبریل کی تیرہویں غزل

وہی میری کم نصیبی، وہی تیری بے نیازی
میرے کام کچھ نہ آیا یہ کمالِ نَے نوازی!

میں کہاں ہوں تو کہاں ہے؟ یہ مکاں کہ لامکاں ہے؟
یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی!

اسی کشمکش میں گذریں مری زندگی کی راتیں!
کبھی سوز و سازِ رومیؔ، کبھی پیچ و تابِ رازیؔ

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں!
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

نہ زباں کوئی غزل کی، نہ زباں سے باخبر میں
کوئی دِل کشا صدا ہو عجمی ہو یا کہ تازی!

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی، وہ نگہ کی تیغ بازی!

کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بد گماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی!

^^

1۔ شاعر نہایت درد آمیز اور یاس انگیز لہجے میں خدا سے اپنا حالِ زار بیان کرتا ہے کہ میری کم نصیبی اور تیری بے نیازی کی وجہ سے میرا کمالِ نَے نوازی کچھ بھی میرے کام نہ آسکا۔ میرا مقصد حاصل نہ ہوسکا۔ وہ مقصد کیا تھا؟ صرف یہ کہ مسلمان بیدار ہوجائیں، لیکن افسوس کہ میری قوم نے مجھے محض ایک شاعر سمجھا۔ اقبال نے ''ارمغانِ حجاز'' میں استعاروں اور کنایوں کے پردے ہٹا کر صاف صاف لفظوں میں سرکارِ دو عالم ﷺ سے قوم کی ناقدری کی شکایت کی ہے۔ فرماتے ہیں:

بآں رازے کہ گفتم پے نبردند
زشاخِ نخلِ من خرما نخوردند
من اے میرِ اُمم ﷺ داد ازتو خواہم
مرا یاراں، غزل خوانے شمردند

یعنی اے میرے آقا! اے اقوامِ عالم کے سردار ﷺ میں آپؐ سے اپنی قوم کی ناحق شناسی کی شکایت کرتا ہوں کہ میں نے اسے دنیا میں سربلندی کا طریقہ بتایا، لیکن یہ ایسی بدنصیب قوم ہے کہ اس نے میرے درخت کی شاخ سے پھل نہیں کھایا۔ اس نے میرے پیغام پر کوئی توجہ نہ دی، بلکہ مجھے محض ایک شاعر سمجھا۔

2۔ اقبال خدا سے پوچھتا ہے، خُدایا، میں کہاں ہوں؟ اور تُو کہاں ہے؟ اس کا جواب اقبال کے فلسفے کے مطابق یہ ہے کہ مکاں کے لحاظ سے ''خدا مکان میں نہیں ہے'' کیونکہ وہ لامحدود اور لامتناہی ہے۔ الغرض خدا کسی مخصوص مقام میں مُقیم نہیں ہے، بلکہ یہ سوال ہی خارج از بحث ہے، کیونکہ زمان و مکاں کی قید اُس پر وارد ہوسکتی ہے جو مُجسّم ہو، اور خدا جسم سے پاک ہے۔ لیکن اس کے باوجود کوئی جگہ ایسے نہیں جہاں خدا نہ ہو۔ اس کی مثال جسمِ انسانی سے مل سکتی ہے۔ روح انسانی جسم میں کسی مخصوص مقام میں نہیں ہے، اس کے باوجود ہر جگہ موجود ہے۔

شاعر کا دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ مکاں ہے یا لامکاں ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر مکان کا وجود محسوس ہوتا ہے، لیکن درحقیقت خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔

وہی اصلِ مکاں لا مکاں ہے
مکاں کیا شے ہے؟ اندازِ بیاں ہے

تیسرا سوال یہ ہے کہ یہ جہان میرا جہان ہے کہ تیری کرشمہ سازی ہے؟ اس کا جولب یہ ہے کہ جسے ہم اپنا جہان سمجھتے ہیں، یہ ہمارا جہان نہیں ہے، کیونکہ یہ خارج میں موجود ہی نہیں، اور جو موجود نہ ہو، اُس پر ملکیت کا اطلاق کیسے دُرست ہوسکتا ہے۔ تو پھر یہ ہے کیا؟ اس کا صاف جواب یہ ہے کہ اللہ کی کرشمہ سازی ہے، یعنی یہ جہان اُس کی صفت خالقیت کا عکس ہے۔

3۔ اِس شعر میں انسان کی دو بنیادی قوتوں یعنی ذکر اور فکر کی طرف اشارہ ہے۔ مرشد رُومی اربابِ ذِکر کے قافلہ سالار ہیں اور امام رازی اصحابِ فکر کے سردار ہیں۔ رومی کشف اور وجدان کے علم بردار ہیں اور امام رازی تعقل اور استدلال کے دوست دار ہیں۔ اندازِ رومی سے دل میں سوز و گداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور طرزِ رازی سے ذہن پیچ و تاب میں مبتلا رہتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ انسان ایک باطنی کشمکش میں زندگی گزار دیتا ہے۔ فیصلہ نہیں کرپاتا کہ کون سا طریق زیادہ صحیح اور قابلِ اعتماد ہے؟ رومی یا رازی؟ مصرعے کی معنوی خوبی یہ ہے کہ اقبال نے دو لفظوں میں دونوں طریقوں کے نتائج بیان کردیے ہیں اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا ہے۔

4۔ ''فریب خوردہ شاہین'' کنایہ ہے مغرب زدہ مسلمان نوجوان سے، کہ ''پلا ہو کرگسوں میں'' کنایہ ہے کفار کی صحبت اور غیر اسلامی ماحول سے۔ اقبال کہتے ہیں کہ میری قوم کے نوجوان (لڑکے اور لڑکیاں) سراسر کافرانہ ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ملحدانہ نظامِ تعلیم اُن پر مسلط ہے، جس نے اُن کے دل و دماغ کو اسلام سے بیگانہ کردیا ہے۔ اگر کسی شاہین کی پرورش کرگسوں میں ہوئی ہو تو قدرتی طور پر وہ مُردار کھانے کا عادی ہو جائے گا۔ وہ کیا جانے کہ زندہ طائر کو شکار کرنے میں کیا لذت ہوتی ہے۔

5۔ کہتے ہیں کہ غزل گوئی یعنی جذبات کے اظہار کے لیے کسی خاص زبان کی پابندی لازم نہیں ہے۔ جو چیز غزل کو دلکش اور پُر اثر بناتی ہے وہ دل کش صدا ہے، خواہ وہ عجمی ہو یا عجمی یا اصل چیز پاکیزہ جذبات اور بلند خیالات ہیں نہ کہ زبان اور اسلوبِ بیان۔

6۔ اِس شعر کا اسلوبِ بیان بہت دلکش ہے۔ کہتے ہیں کہ فقر اور سلطنت میں نام کا فرق تو ضرور نظر آتا ہے، لیکن بہ باطن دونوں ایک ہی ہے۔ بالفاظِ دیگر صرف طریق کار کا فرق ہے۔ مقصد دونوں کا یکساں ہے۔ یعنی سلطان بھی حکمرانی کرتا ہے اور فقیر بھی۔ فرق یہ ہے کہ سلطان اپنی سپاہ اور فوج کی مدد سے دوسروں پر حکومت کرتا ہے، لیکن فقیر یہی کام اپنی تیز نگاہ کی تیغ سے انجام دیتا ہے۔ شعر کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سلطان حکمرانی کے لیے غیروں کا محتاج ہے۔ فقیر کسی کا محتاج نہیں، کیونکہ اُس کی سپاہ اور اُس کے ہتھیار اُس کے اندر موجود ہیں۔

7۔ کارواں کنایہ ہے ملتِ اسلامیہ سے، اور حرم کنایہ ہے دینِ اسلام سے۔ اقبال کہتے ہیں کہ آج کل کے مسلمانوں کے دینی پیشواؤں (علماء ہوں یا مشائخ) میں دل نوازی کی عادت نہیں ہے۔ اُن میں کردار و اخلاق کی بہت کمی ہے، اس لیے حالت یہ ہے کہ بعض افراد نے ملتِ اسلامیہ سے رشتہ منقطع کرلیا، اور بعض اشخاص اُن کی سرد مہری کی بناء پر دینِ اسلام ہی سے بدظن ہوگئے۔

منبر و محراب

شادی بیاہ کی مروّجہ رسومات

اسوۂ حسنہ کی روشنی میں

مسجد گلزارِ قائد' راولپنڈی میں امیر تنظیم اسلامی محترم جناب حافظ عاکف سعید صاحب کے 5 اگست 2005ء کے خطاب بمع ہلکی تلخیص

قرآن حکیم میں حضرت محمد ﷺ کی خصوصی امتیازی شان بیان ہوئی ہے کہ آپ ؐ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں ﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾۔ نوع انسانی کے لیے آپ کو دو عظیم تحفے عطا کیے گئے' جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مظہر کے ساتھ ساتھ آپ ؐ کی رحمۃ للعالمینی کے بھی سب سے بڑے مظاہر ہیں۔ اُن میں پہلی چیز ہے ''الھدیٰ'' اور دوسری ''دین الحق''۔ قرآن حکیم میں تین جگہوں پر ان کا ذکر آیا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا: (هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ)(الصف:9) ''وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول ؐ کو ''الھدیٰ'' اور ''دین حق'' دے کر' تا کہ وہ اُسے تمام ادیان پر غالب کر دے''۔ ''الھدیٰ'' یعنی قرآن حکیم اللہ کی طرف سے نوع انسانی کے لیے فکری اور عملی رہنمائی ہے۔ اس میں ہر علمی سوال، ذہنی الجھن کا حل اور فطری اشکالات کے جوابات موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں بھرپور عملی رہنمائی کا سامان بھی مہیا کیا گیا ہے۔ اس بنا پر قرآن حکیم اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ ''دین حق'' دوسری بڑی نعمت ہے یعنی وہ نظام عدل اجتماعی جو اللہ کی طرف سے آیا ہے' اور کامل عدل و انصاف پر مشتمل ہے۔

ان دو تحفوں کا مظہر نوع انسانی نے نبی اکرم ﷺ کے قائم کردہ معاشرے کی صورت میں دیکھا۔ چنانچہ وہ عرب قوم جس کو خود قرآن حکیم نے کہا ''قومًا لُدًّا'' بڑی اکھڑ، جھگڑالو اور غیر مہذب قوم قرار دیا تھا لیکن چشم فلک نے دیکھا کہ وہی اُجڈ عرب قوم پوری دنیا کے لیے معلم اخلاق بن گئی' پوری دنیا میں علم کی روشنی پھیلانے کا موجب بن گئی' پوری دنیا کو اس نے ایک عظیم کلچر' ایک درخشاں تہذیب سے روشناس کرایا۔ اسی نظام عدل نے عدل و انصاف، امن و امان، کفالت عامہ کا نظام، ہر شخص کو اس کا جائز حق عطا کیا۔ چودہ سو سال پہلے کسی نے ''ہیومن رائٹس'' کے الفاظ ہی نہیں سنے تھے۔ اُس وقت آنحضور ؐ نے "Human Rights" کا تصور نہ صرف روشناس کروایا' بلکہ اس کا اعلیٰ ترین نمونہ قائم کر کے دکھایا۔ یہ آپ ؐ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا ایک بہت بڑا مظہر ہے۔ یہ بھی آنحضور ﷺ کی ایک شان تھی کہ آپ ؐ نے نوع انسانی کو' اُس کی گردنوں میں پڑے ہوئے غلامی کے طوقوں اور کندھوں پر پڑے ہوئے رسوم و رواج کے بھاری بوجھوں سے نجات دلائی۔ ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾

آنحضور ﷺ نے معاشرتی سطح پر جو عملی نمونہ پیش کر کے دکھایا اس کی طرف توجہ کریں۔ دیکھیے' انسانی تمدن کے اندر چند مواقع ایسے ہوتے ہیں جب کچھ نہ کچھ رسومات اور تقاریب کا اہتمام کرنا ہوتا ہے۔ پیدائش کا معاملہ ہے۔ شادی ایک بہت بڑا Event ہے' جو تمدنی ضرورت ہے۔ اسی طرح مرگ کا معاملہ ہے۔ کوئی بھی شخص قیامت تک کے لیے زندہ رہنے نہیں آیا۔ موت زندگی کی سب سے بڑی

> **منگنی' تیل' مہندی اور بارات کی مروجہ رسومات کا سنت سے ثبوت نہیں ہے۔**

حقیقت ہے۔ زندگی کے بارے میں آپ کو شبہ ہو سکتا ہے کہ کیا واقعی میں زندہ ہوں۔ اس دنیوی زندگی کے بارے میں فلسفیوں نے بہت سے شکوک وشبہات کا اظہار کیا ہے۔ ہم جو زندہ ہیں' کیا یہ واقعی کوئی حقیقی زندگی ہے' یا اس خواب سے بھی بیدار ہوں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ بھی کوئی وہم تھا۔ فلسفی اس اُدھیڑ بن میں رہے کہ یہ زندگی جو ہم گزار رہے ہیں' اس کے بعد شاید ہماری آنکھ کھلے اور ہمیں معلوم ہو کہ یہ سارا خواب تھا۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ الغرض موت تو ایک اٹل حقیقت ہے۔ اس موقع پر بھی رسومات اور تقریبات کا ایک سلسلہ دنیا کی ہر تہذیب میں، ہر قوم میں پایا جاتا ہے۔ شادی بیاہ' اور موت مرگ ہر دو مواقع پر نظر آتا ہے کہ اہل ثروت' امیر طبقات' ان مواقع پر خوب خرچ کرتے ہیں' اور رسومات کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔

درحقیقت ہر قوم اور ہر تہذیب میں ابتداءً کچھ محدود رسمیں شروع ہوتی ہیں' جو بعد میں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اس طرح افرادِ معاشرہ پر بوجھ میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ سوسائٹی کا ایک محدود طبقہ تو ان رسومات کو ''افورڈ'' کر سکتا ہے۔ مگر بہت بڑا طبقہ ان کے بوجھ تلے کچلا جاتا ہے۔ یہ بوجھ انسان اپنی لاعلمی، اپنی جہالت اور آسمانی ہدایت سے دوری کی بنا پر خود اپنے اوپر بڑھاتا جاتا ہے۔ ایسا ہر دور میں ہوتا ہے۔ جیسے آج کل شادی کے موقع پر تقریبات کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر آپ اپنی بیٹی کے لیے ان رسومات کا اہتمام نہیں کریں گے تو ہمیشہ کے لیے ایک داغ رہ جائے گا' ناک کٹ جائے گی، لوگ کیا کہیں گے۔ اگرچہ جیب میں پیسے نہیں ہیں، دو وقت کی روٹی مشکل سے چلتی ہے لیکن ان مہنگی تقاریب کا بہرحال اہتمام کرنا ہے' خواہ اس کے لیے قرض لینا پڑے اور خواہ اس کے لیے حرام ذرائع کو اختیار کرنا پڑے! اس طرح کی اکثر رسومات معاشرتی جبر کا شاخسانہ ہیں ہے۔ آنحضور ﷺ جو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے۔ لوگوں کو ان بوجھوں سے نجات دلانے آئے تھے' اور نجات دلا کر تشریف لے گئے تھے۔ یہ تو ہماری اپنی نادانی تھی کہ ہم نے اپنی جہالت اور صراطِ مستقیم سے ہٹ جانے کی وجہ سے وہ طوق اور بوجھ اپنی گردن اور اپنے کندھوں پر واپس لاد دیے۔

بنظر غائر دیکھیے' آج کل شادی بیاہ کی جتنی رسومات ہیں' وہ سب کی سب غیر اسلامی ہیں۔ یہ سب اپنی اپنی جگہ مستقل حیثیت رکھتی ہیں۔ منگنی اپنی جگہ ایک مستقل تقریب ہے۔ شادی کے قریب تیل کی رسم اپنی جگہ ایک الگ تقریب ہے۔ مہندی کی رسم کی اپنی جگہ ایک الگ حیثیت ہے۔ اس موقع پر مہمان آتے ہیں' عزیز و اقارب جمع ہوتے ہیں' دیگیں پکتی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت زیادہ اخراجات اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ پھر نکاح کی تقریب ہوتی ہے، پھر رخصتی ہوتی ہے۔ اس کے بعد ولیمے کی باری آتی ہے۔ اس سلسلے کے ایک بہت بڑے خرچ کا عنوان

ہے جہیز۔ یہ وہ چند چیزیں ہیں جو میرے علم میں ہیں' ورنہ ان میں ہر دور میں وقت گزرنے کے ساتھ اضافہ ہی ہوتا ہے' کمی نہیں آتی۔ یہ ساری چیزیں سماج پر بہت بھاری بوجھ ہیں۔ اصل میں ان تقاریب میں سے زیادہ تر کا تعلق ہمارے سابقہ پس منظر یعنی ہندوانہ تمدن سے ہے۔ اگر تجزیہ کیا جائے تو ان تقاریب کا زیادہ تر بوجھ لڑکی والے پر آ رہا ہے۔ منگنی کی رسم ہو یا تیل کی رسم، مہندی کی رسم ہو یا رخصتی کا معاملہ' نکاح کی تقریب یا جہیز کا وبال' سارا بوجھ لڑکی والے پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لڑکیوں کے رشتے نہیں ہو پاتے۔ والدین کوشش کے باوجود بھی اُن کے ہاتھ پیلے نہیں کر سکتے' اور بہت سی بچیاں گھر میں بیٹھی بوڑھی ہو جاتی ہیں۔

ان سارے فسادات کی وجہ کیا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ ہم آج اس اسلام سے بہت دور ہو گئے ہیں جو آنحضورﷺ ہمیں دے کر گئے تھے۔ چنانچہ اگر ہم اس حوالے سے اسوۂ رسولؐ کو اختیار کریں تو لڑکی والے پر ایک پیسے کا بوجھ نہیں آتا۔ ذرا سوچئے' آنحضورؐ نے اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیسے کیا تھا؟ آپؐ کے دور میں دیگر نکاح کیسے ہوتے تھے؟ آپؐ نے خود کئی نکاح کیے' وہ کیسے ہوئے؟ سیرت کی کتابوں میں تمام واقعات محفوظ ہیں۔ اس حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے (النکاح من سنتی) یعنی ''نکاح کرنا میری سنت (میرا طریقہ) ہے''۔ لہٰذا سنت رسولؐ کی حیثیت سے نکاح کو بڑا تقدس حاصل ہے۔ ہم سب بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ نکاح کیا تو سنتِ رسولؐ پر عمل ہو گیا۔ لیکن کتنی ستم ظریفی ہے کہ اس سنت کی ادائیگی سے متعلق دوسرے مسنون معاملات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ آنحضورﷺ کی اس معاملے میں سنت کیا تھی' خود انہوں نے نکاح کے معاملے کو کیسے سرانجام دیا' اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ نکاح اور شادی بیاہ کے ضمن میں جو اسوہ آپؐ نے قائم فرمایا' وہ کیا ہے؟ سمجھ لیجئے' اسلام میں منگنی نام کی کوئی تقریب نہیں۔ راہ چلتے بھی آپ بات طے کر سکتے ہیں۔ اس حوالے سے سیرت کی کتابوں میں ہمیں کوئی تقریب نہیں ملتی۔ تیل اور مہندی نام کی رسموں کا سراغ بھی آنحضورﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں نہیں ملتا۔ اسی طرح مروجہ بارات کا تصور بھی جہیز سے وابستہ ہے۔ جب جہیز کا اسلام میں کوئی تصور نہیں' تو بارات کی ضرورت نہیں رہی۔

نکاح سے متعلق صرف دو تقاریب سنت سے ثابت ہیں۔ تقریب نکاح اور تقریب دعوتِ ولیمہ۔ تقریب نکاح میں اصل شے ہے ایجاب وقبول' جس سے نکاح منعقد ہوتا ہے۔ ایجاب وقبول قانونی اعتبار سے نکاح کی اہم ترین شق ہے۔ اس کا اپنا ضابطہ ہے کہ کم از کم دو گواہ ہونے چاہئیں۔ اس میں وعظ ونصیحت کے لیے خطبہ نکاح مسنون ہے۔ یہ مختصر سماجی تقریب ہے۔ اس موقع پر آپﷺ تذکیر اور وعظ کے لیے خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اور قرآن حکیم کی چار آیات خاص طور پر تین مختلف مقامات سے منتخب فرما کر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد شیرینی تقسیم کی جاتی تھی۔ چھوہارے تقسیم کرنا مسنون ہے۔ چھوہارے، کھجور، کوئی بھی شیرینی تقسیم کی جا سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ نکاح کی تقریب میں اگر اسوہ رسولؐ پر عمل ہو تو لڑکی والے پر کوئی خرچ نہیں آتا۔ نکاح کی تقریب فقط خطبہ نکاح اور ایجاب وقبول پر مشتمل ہے۔ اس میں جو چھوہارے یا شیرینی تقسیم کی جاتی ہے وہ بھی لڑکے والے تقسیم کرتے ہیں۔ اگرچہ میزبان لڑکی والا ہوتا ہے' مگر اس پر کھلانے پلانے کا کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔ بس مہر میں نکاح دیا تھا۔ چنانچہ جب نکاح کا موقع آیا' آنحضورﷺ نے حضرت علیؓ سے سوال کیا' علی! یہ بتاؤ کہ مہر میں دینے کے لیے تمہارے پاس کیا ہے۔ حضرت علیؓ درویش صحابہ میں سے تھے۔ آپ کے پاس دنیاوی مال ومتاع میں سے کچھ نہیں تھا۔ جواباً عرض کیا' ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے۔ یہ کل متاع تھی۔ وہ حجرہ جس میں حضرت فاطمہؓ کو وداع کر کے پہنچایا گیا تھا' اس کا بھی ایک انصاری صحابیؓ نے اہتمام کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ زرہ بیچ دو اور اس سے جو رقم حاصل ہو اس میں سے تم مہر ادا کرو۔ حضرت علیؓ نے وہ زرہ بیچ دی۔ حضرت عثمانؓ نے خرید لی اور وہ پیسے لا کر حضورﷺ کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ یاد رہے کہ آنحضورﷺ کی اس شادی میں دوہری حیثیت تھی۔ دلہن (یعنی حضرت فاطمہؓ) کے والد اور ولی بھی حضورؐ تھے اور دولہا حضرت علیؓ کے سرپرست بھی آپؐ ہی تھے' کیونکہ حضرت علیؓ کی کفالت حضورﷺ نے کی تھی، اپنے گھر میں انہیں بچپن سے پالا تھا۔ چنانچہ جو رقم آپؐ کو لا کر دی گئی اس میں سے کچھ حصہ مہر کے لیے مقرر ہو گیا اور بقیہ رقم سے حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کے گھر کے لیے وہ چیزیں تیار کیں' جن کو ہم جہیز فاطمہؓ کہتے ہیں۔ گویا اس مختصر سامان کا بھی جسے ''جہیز'' کا نام دیا جاتا ہے' حضرت علیؓ کی زرہ کی رقم سے ہی اہتمام کیا گیا تھا۔ حضورﷺ نے تو سرپرست کے طور پر وہ چیزیں منگوائی تھیں۔ لہٰذا اس سے جہیز کا ثبوت تلاش کرنا درست نہیں۔

شادی بیاہ کے حوالے سے ایک اور چیز جو سنت سے ثابت ہے' دعوتِ ولیمہ ہے۔ نبی اکرمﷺ نے تعلیم دی ہے کہ اپنی بساط کے مطابق ولیمہ ضرور کیا کرو۔ شادی کے موقع پر ''رخصتی کے وقت'' لڑکی والوں کے ہاں اداسی کی کیفیت ہوتی ہے۔ ایک فرد جدا ہو رہا ہوتا ہے۔ والدین کے ذہن میں سو خدشات ہوتے ہیں' اس لیے وہ جذباتی منظر ہوتا ہے۔ اصل خوشی لڑکے والوں کے ہاں ہوتی ہے' جن کا گھر آباد ہو رہا ہوتا ہے' جن کے گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے' ایک نئے خاندان کی داغ بیل پڑ رہی ہوتی ہے۔ چنانچہ ولیمہ کی تاکید لڑکوں والوں کے لیے ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا گیا کہ ولیمہ ضرور کرو' چاہے ایک بکری کا ہو۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نکاح ہوا۔ آنحضورﷺ نے ان کے کپڑوں پر زعفرانی رنگ لگا دیکھا۔ آپ نے پوچھا: کیا تم نے شادی کی ہے۔ انہوں نے کہا' جی ہاں' اللہ کے رسولؐ! میں نے نکاح کیا ہے۔ فرمایا: ولیمہ ضرور کرنا' چاہے ایک بکری کا ہو۔ ذرا اس سے بھی اس ماحول کا اندازہ کیجئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں' مہاجرین میں سے ہیں اور نکاح ہوا تو کوئی ایسی تقریب نہیں ہوئی کہ ساری دنیا کو اکٹھا کیا گیا ہو۔ ایک سادہ سی تقریب ہوئی' جو ایک سوشل ضرورت تھی' اور نکاح ہو گیا۔ یہاں تک ہو، خطبہ مسنونہ ہو، چھوہارے تقسیم کیے جائیں' اور یہاں سے دعا کے بعد تقریب نکاح ختم ہو جائے گی۔ بس یہ ہے مختصر' سادہ مگر پروقار اسلامی روایت!

اب رخصتی کے معاملہ کا جائزہ لیتے ہیں۔ حضورﷺ نے اپنی لختِ جگر کی رخصتی کیسے کی تھی؟ کیا کوئی تقریب منعقد ہوئی تھی؟ ظاہر ہے ایسا نہیں ہوا' یہاں تک کہ خود حضرت علیؓ بھی تشریف نہیں لائے۔ گھر کی بزرگ خواتین حضرت فاطمہؓ کو حضرت علیؓ کے حجرے میں پہنچا کر آ گئیں۔ یہ رخصتی کی سادہ تقریب تھی۔ ہمارے ہاں اُس وقت تک رخصتی ہو نہیں سکتی جب تک سارا محلہ اکٹھا نہ ہو جائے' پوری برادری جمع نہ ہو جائے۔ ذرا سوچئے' کیا ہماری بیٹیاں آنحضورﷺ کی لختِ جگر سے زیادہ محترم ہیں؟

رہ گئی بات جہیز کی' تو اس بارے میں ہمارے ہاں حضرت فاطمہ کی شادی کے موقع پر جہیز فاطمہؓ کا بڑا تذکرہ ہوتا ہے۔ درحقیقت حضرت فاطمہؓ کو جو سامان دیا گیا' وہ بنیادی ضرورت کا سامان تھا ایسا نہیں تھا کہ دنیا بھر کا مال و متاع اکٹھا کر کے بیٹی کو دے دیا گیا ہو۔ یہ مختصر سامان تھا۔ اس کی تفصیل احادیث کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ اس سامان میں کھجور کی چھال کا ایک گدا، دو تکیے' ایک مشکیزہ اور ایک چکی شامل تھی' لیکن کہ اگر ہم سیرت پر نگاہ ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ آنحضورﷺ نے اس موقع پر بیٹی کو جو کچھ دیا' اسے جہیز کہنا صریحاً غلط ہے۔ اس لیے کہ آپ نے یہ سامان اپنے پاس سے نہیں دیا تھا بلکہ حضرت علیؓ کی رقم سے لے کر

> اسلامی تعلیمات کے منافی ظالمانہ رسومات اور ناروا رواجات کو ایک محدود طبقہ ہی برداشت کر سکتا ہے' جبکہ معاشرے کی ایک بھاری اکثریت ان کے بوجھ تلے پسی جا رہی ہے۔

کہ یہ بات حضور ﷺ کے علم میں بھی نہیں آئی۔ اس پر آپؐ نے کوئی شکایت بھی نہیں کی۔ اسی طرح ضروری ہے کہ نکاح جلد ہونا چاہیے۔ اس بارے میں حضور ﷺ کے تاکیدی فرامین موجود ہیں۔ اگر نکاح میں دیر ہوگئی اور جوان لڑکا یا لڑکی کسی گناہ میں پڑ گئے تو والدین پر بھی اس گناہ کا بوجھ آئے گا۔ بہرکیف یہ بھی اسلامی معاشرت کا حصہ ہے جس کو ہم نے نظرانداز کیا ہوا ہے۔

لڑکے کو ولیمہ کی تاکید کے ساتھ ساتھ افرادِ معاشرہ کو تاکید کی گئی ہے کہ جب تمہیں ولیمے کے لیے بلایا جائے تو ضرور جایا کرو۔ اپنے مسلمان بھائی کی اس خوشی میں شریک ہوا کرو۔ ولیمہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ولیمے کی دعوت اپنی بساط کے مطابق ہو۔ یعنی آدمی جو کھانا کھلا سکتا ہو وہ کھلائے، جو مشروب پیش کرسکتا ہو پیش کر دے، صرف شیرینی یا کھجوریں دینا چاہے تو اس پر ولیمہ کرلے۔ نام ونمود اور شہرت کے لیے خود کو غیر ضروری مشقت میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جس ولیمے میں نام ونمود ہو، جس میں دولت کا اظہار ہو اس میں شرکت بھی حرام ہے۔ یہ ہے شادی بیاہ کی کل تقاریب، یعنی ایک تقریب نکاح کی اور دوسری دعوت ولیمہ کی۔

رہا سوال جہیز اور بارات کا تو اس کا تعلق اصل میں ہمارے ہندوانہ پس منظر سے ہے۔ اسلام میں بیٹی اور بیٹے دونوں کے لیے وراثت میں حصہ معین کیا گیا ہے، اور تاکید کی گئی ہے وراثت کم ہو یا زیادہ سب کو ان کے حصے ضرور ادا کرو، لیکن ہندوؤں کے ہاں وراثت میں لڑکی کا کوئی حق نہیں ہے۔ لہٰذا بیٹی کو جو دینا دلانا ہوتا ہے وہ ایک ہی دفعہ رخصتی کے وقت دے دیتے ہیں۔ اسی کا نام جہیز ہے۔ ہندو وتمدن میں ایک اور ظالمانہ رسم ستی کی رسم ہے۔ ستی یہ ہے کہ ایک مرتبہ جب لڑکی کا نکاح اور گھر سے رخصتی ہو جائے، تو گویا وہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئی۔ اس نے اس دہلیز کو پار کیا ہے، تو اب واپس نہیں آئے گی۔ شوہر کا انتقال ہو جائے تو شوہر کے ساتھ اس کو بھی جلا کر خاک کر دیا جائے۔ یہ جاہلانہ تصورات ہیں۔ بارات کا پس منظر یہ ہے کہ پرانے زمانے میں قافلوں پر حملے ہوتے تھے۔ اگر ایک شہر سے دوسرے شہر بارات جاتی اور واپسی پر جہیز کا سامان بھی لانا ہوتا، تو ظاہر ہے جہیز کا سامان لانے کے لیے آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ دوسرے سیکورٹی کے نقطۂ نظر سے بھی افراد کے ایک جتھہ کی ضرورت پڑتی تھی۔ چنانچہ طے ہوا کہ لوگ گھر سے بارات کی شکل میں جتھہ بنا کر نکلیں اور نکاح کے بعد لڑکی کے گھر سے "مالِ غنیمت" لے کر لوٹیں، تاکہ رستے میں ڈاکے سے محفوظ رہ سکیں۔ یہ ایک پورا فلسفہ ہے۔ اس کی کڑیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔ جب جہیز کی جڑ ہی کٹ گئی تو بارات کا کیا تصور؟ بارات کے حوالے سے مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ یہ مفسدات میں سے ہے اور اس سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ حرام کے درجے کی ہیں۔ بارات کے بجائے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنے قریبی دوستوں کو نکاح کے موقع پر مسجد میں مدعو کیا جائے تا کہ وہ دعا میں شریک ہوں اور وہاں سے لڑکی رخصت ہو جائے۔

اگرچہ اس سادہ نکاح کے لیے بے شمار عقلی دلائل موجود ہیں۔ اس کے ان گنت فوائد ہیں، لیکن میں ان سے بحث نہیں کرتا، اگر ہم یہ طے کرلیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دیگر معاملات کی طرح شادی بیاہ نکاح وغیرہ کے لیے مکمل اسوہ فراہم کیا ہے، اور ہم نے اس کی پیروی کرنا ہے تو پھر عقلی دلائل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر ہم اس اسوہ کو اختیار کرلیں تو اگر کسی کے گھر میں دس بیٹیاں بھی ہوں تو صاحب خانہ کو کوئی بے چینی اور پریشانی نہیں ہوگی۔ ورنہ ایک دو بیٹیاں بھی ہوں تو وہ بھی راتوں کی نیند اڑا دینے کے لیے کافی ہیں۔

> **حضرت فاطمہؓ جو سامان دیا گیا تھا، وہ جہیز نہ تھا۔ وہ حضورؐ نے حضرت علیؓ کی زرہ کی رقم سے لے کر دیا تھا**

جیسا کہ میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ انسانیت کے لئے رحمت ہیں، آپؐ کی رحمت للعالمینی کا مظہر یہ ہے کہ آپؐ کو نوعِ انسانی کے لیے دو تحفے دیئے گئے۔ "الہدیٰ" اور "دین حق"۔ الہدیٰ یعنی قرآن اس لیے رحمت ہے کہ انسانوں کی فکری، علمی اور عملی راہنمائی کا مکمل سامان اس میں موجود ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اصل ذریعہ یہی قرآن ہے۔ (اَلْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ وَعَلَيْكَ) یہ قرآن (آخرت میں) تمہارے حق میں سفارش کرے گا یا تمہارے خلاف۔ جیسے کہ سورۂ فرقان میں ہے ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ (آیت:30) "رسول کہیں گے (فریاد کریں گے) کہ پروردگار میری اس قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا"۔ یہ سفارش حق میں نہیں، بلکہ خلاف ہوگی۔ "دوسری چیز ہے دین حق" جو کامل عدل وانصاف اور امن وامان کا ضامن ہے۔ ان دو چیزوں یعنی "الہدیٰ" اور "دین حق" کو اگر ہم اختیار کریں، جو راہنمائی اللہ نے عطا کی ہے، اس کو اپنے لیے "گائیڈنس" سمجھیں اور اللہ نے جو عملی نظام دیا ہے، اس کو نافذ کریں، تو آج بھی اللہ کا سربلندی کا وعدہ ہمارے ساتھ برقرار ہے۔ فرمایا: ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ "اگر تم مومن ہوئے (یعنی اگر تم نے ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا) تو تم ہی غالب اور سربلند ہوگے"۔

صوبہ سرحد میں حسبہ ایکٹ پیش کیا گیا ہے۔ حسبہ ایکٹ میں لفظی طور پر اصلاح کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ لیکن سرحد حکومت کو یہی کرنا چاہیے۔ کیونکہ بحیثیت مسلمان اگر کسی کو اقتدار یا حکومت حاصل ہوتی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام قائم کرے۔ ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ......﴾ یعنی "وہ لوگ جنہیں ہم زمین پر مملکت بخشتے ہیں (اقتدار عطا کرتے ہیں) وہ نماز کا نظام قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، نیکیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں"۔ اگر وفاقی حکومت کو حسبہ ایکٹ پر جائز اعتراض ہے تو وہ اعتراض کرے لیکن ضروری ہے کہ اس فریضہ کو وہ خود ادا کرے۔ یہ کام تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ مرکزی حکومت کو چاہیے کہ زکوٰۃ کا نظام قائم کرے، جو حضور ﷺ نے قائم کرکے دکھایا تھا۔ جس کو بعد میں خلفائے راشدین نے ایک مستحکم شکل دی ہے۔ اس کی ساری تفصیلات سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ وہ نظام زکوٰۃ نہیں کہ جو ضیاء الحق صاحب نے قائم کیا تھا کہ سود میں سے کچھ حصہ زکوٰۃ کے نام پر کاٹ لیا جائے۔ اسی طرح نظام صلاۃ قائم کرے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام کرے۔ یہ کام ہر مسلمان حکمران کے ذمہ ہے۔

صدر پرویز مشرف اس پر فخر کرتے ہیں کہ وہ سید مسلمان ہیں۔ ہم ان سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس قرآنی حکم پر عمل کا آغاز کریں۔ پورے پاکستان میں اسلامی نظام قائم کریں۔ اگر وہ ایسا کرلیں تو تمام مخلص مسلمان اُن کے ساتھ ہوں گے۔ کیونکہ جو بھی مخلص مسلمان ہیں انہیں اسلامی نظام چاہیے، اسلامی اقدار چاہئیں۔ آج ہر طرف فحاشی اور عریانی کا سیلاب ہے۔ زنا کے راستے کھلے ہیں۔ اس کے آگے کوئی روک لگانے کے لیے تیار نہیں۔ حکومتی سطح پر اس کو سپورٹ کیا جا رہا ہے۔ اس معاملے میں سارا قصور محض حکمرانوں ہی کا نہیں، پوری قوم کا ہے۔ آج ہم سب حضورؐ نے جو نظام دیا تھا، اس کے بالکل برعکس چل رہے ہیں۔ زنا کے راستے کھول دیئے گئے ہیں۔ اس کے لیے ترغیبات کا ایک سیلاب ہے جو معاشرت میں برپا ہے۔ اس کے برعکس نکاح کو آسان بنانے کی بجائے انتہائی مشکل بنا دیا گیا ہے۔ اگر ہم دین، جو محمد رسول اللہؐ لے کر آئے اور جس کو آپؐ نے قائم کرکے دکھایا، اس پر عمل کریں، اس نظام مصطفیٰ ﷺ کو نافذ کردیں، تو آج بھی اللہ کی مدد لازماً ہمارے شامل حال ہوگی، ورنہ بیرونی دباؤ، جو روز بروز بڑھ رہا ہے، اس میں وقت گزرنے کے ساتھ اضافہ ہوگا۔ امریکہ، برطانیہ اور یورپ کی ڈکٹیشن پر مجبوراً ہم مدارس کے خلاف کریک ڈاؤن کر رہے ہیں، حالانکہ آج تک ثابت ہی نہیں ہوا کہ وہاں پر کوئی ٹریننگ کا نظام موجود ہے۔ یہ سارا معاملہ کیوں ہو رہا ہے؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ ہم نے اللہ کے دین کو چھوڑ رکھا ہے۔ اس کو دوبارہ تھامیں گے، تو اللہ کی رحمت شامل حال ہوگی اور پھر کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، جیسے فرمایا: (ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم) "اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد پر آ جائے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔" دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (مرتب: فرقان دانش خان)

آہنی جنگلوں میں گھرا ملک

عرفان صدیقی

بہت سے دوسرے سوالوں کی طرح اس سوال کا جواب تلاش کرنا بھی خاصا مشکل ہے کہ کابینہ' پارلیمنٹ' قومی سلامتی کونسل یا کسی دوسرے ریاستی ادارے نے پاک افغان سرحد پر باڑ لگانے کی تجویز کی منظوری دی اور اس کا اعلان پاکستان کے بجائے نیو یارک میں کیوں کیا گیا اور اس کے لیے ایسا وقت کیوں چنا گیا جب ڈیورنڈ لائن ایک آتشیں لکیر بنی ہوئی ہے؟ البتہ ایک بات یقینی ہے کہ بے حکمتی کی شاخ بے ثمر پر پھوٹنے والا یہ تازہ شگوفہ بھی ہمارے مسائل میں اضافہ کر دے گا اور ہماری پریشانیاں دو چند ہو جائیں گی۔

اس تجویز کے ساتھ ہی سنگ باری شروع ہو گئی ہے۔ زہر میں بجھے تیر برس رہے ہیں۔ افغان وزارتِ داخلہ کے ترجمان لطف اللہ مشال نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ ''افغان عوام' سرحد کے واضح تعین سے قبل باڑ لگانے کی کسی تجویز کو قبول نہیں کریں گے۔ پاک افغان بارڈر کے واضح تعین کے لیے دونوں ممالک ایک باؤنڈری کمیشن تشکیل دیں اور بین الاقوامی قوانین اور ضابطوں کے تحت واضح سرحد تشکیل دی جائے''۔ وزارتِ خارجہ کے ترجمان نے کہا ہے کہ ہمیں اس طرح کی کوئی تجویز نہیں دی گئی۔ افغانستان کے بیشتر رہنماؤں' قبائلی عمائدین اور دانشوروں نے بھی اس تجویز پر شدید تنقید کی ہے اور ''ڈیورنڈ لائن'' کو متنازعہ قرار دیتے ہوئے نئی حد بندی کا شوشہ چھوڑا ہے۔

2001ء کے اواخر میں جب امریکہ' افغانستان کی معصوم بستیوں کو اپنے ہلاکت آفریں ہتھیاروں کی تجربہ گاہ بنا رہا تھا اور یوں دکھائی دینے لگا تھا کہ طالبان اپنی حکمرانی قائم نہیں رکھ پائیں گے تو صدر مشرف نے صدر بش سے درخواست کی تھی کہ ''شمالی اتحاد کو بلا شرکت غیرے افغانستان پر مسلط نہ کیا جائے''۔ صدر مشرف اچھی طرح جانتے تھے کہ شمالی اتحاد پاکستان سے شدید نفرت و کدورت رکھتا ہے۔ ایک عشرے پر محیط افغان جہاد کے دوران پاکستان کی مدد اور ہمدردیوں کا رخ پختون رہنماؤں کی طرف رہا تھا اور احمد شاہ مسعود کی قیادت میں جمع ہونے والا شمالی اتحاد پاکستان کی اس روش سے نالاں تھا۔ طالبان کی نمود کو بھی پاکستان سے منسوب کیا گیا چنانچہ شمالی اتحاد نے بھارت' ایران اور روس سے قربتیں بڑھا لیں۔ پاکستان کو بخوبی علم تھا کہ طالبان کی بے دخلی کے بعد اگر شمالی اتحاد تخت کابل پر قابض ہو گیا تو افغانستان کی سرزمین پاکستان دشمن عناصر کی آماجگاہ بن جائے گی۔ صدر بش نے پاکستان کی یہ درخواست مسترد کر دی۔ چنانچہ شمالی اتحاد کے گرگوں کی حکومت قائم ہوتے ہی بھارت کو اپنے کھیل کے لیے کھلا میدان مل گیا۔ اسرائیل کو اثر و رسوخ حاصل ہو گیا۔ روسی عہد کی رسوائے زمانہ ایجنسی ''خاد'' کے کل پرزے متحرک ہو گئے۔ رہی سہی کسر امریکی سفیر زلمے خلیل زاد نے پوری کر دی' جس کے دل میں پاکستان کے لیے کوئی نرم گوشہ نہ تھا۔ سو دیکھتے دیکھتے افغانستان ایک ''پاکستان دشمن'' ماحول کی گرفت میں آ گیا۔

شمالی اور جنوبی وزیرستان آپریشن' افغانستان میں سرگرم انہی پاکستان دشمن عناصر کی سازشوں کا شاخسانہ ہے۔ اپنی ناکامیوں اور بے حد و حساب کرپشن پر پردہ ڈالنے کے لیے وہاں سے امریکی سٹیٹ آفس اور پینٹاگان کو بھیجی جانے والی فتنہ ساماں رپورٹس میں ایک ہی تاثر ابھارا جاتا رہا کہ ''پاکستان دراندازی کر رہا ہے''۔ وہی بدامنی پھیلا رہا ہے۔ القاعدہ اور طالبان وہاں چھپے ہوئے ہیں۔ پاکستانی ایجنسیاں انہیں تربیت دے رہی ہیں۔ اس پراپیگنڈے کو مسلسل اچھالا گیا اور اتنا شدید دباؤ ڈالا گیا کہ پاکستان کے اعصاب شل ہونے لگے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ امریکہ نے براہِ راست اپنی افواج کے ذریعے آپریشن کی دھمکی دے دی۔ یہی موقع تھا جب پاکستان کو بادلِ نخواستہ ایک ایسے آپریشن کی پیٹھ پر سوار ہونا پڑا جس سے اترنا اب اس کے لیے مشکل ہو رہا ہے۔ یہ وہی دن تھے جب صدر مشرف نے کہا تھا کہ ''ہم وزیرستان میں اپنی فوج نہ بھیجتے تو امریکہ خود بم برسانے لگتا''۔ گزشتہ روز ہی پشاور کے کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل صفدر حسین نے انکشاف کیا ہے کہ وزیرستان میں اب تک چھوٹے بڑے 76 آپریشن کیے جا چکے ہیں۔ ان آپریشنز میں 176 غیر ملکیوں سمیت 353 ''دہشت گرد'' مارے جا چکے ہیں۔ 268 فوجی جاں بحق اور 700 سے زائد زخمی ہو چکے ہیں۔ افغانستان سے ملنے والی 600 کلومیٹر سرحدی پٹی پر 761 چیک پوسٹیں قائم کی گئی ہیں۔ جولائی سے اب تک دس ہزار مزید فوجی تعینات کرنا پڑے ہیں۔ مجموعی طور پر مغربی سرحد 80 ہزار پاکستانی فوج کی نگہبانی میں ہے۔

وزیرستان میں فوجی آپریشن کی مصلحتیں' ضرورتیں' مجبوریاں' اور معذوریاں قابل فہم سہی لیکن اس آپریشن کے سیاسی' معاشرتی اور نفسیاتی اثرات و نتائج کسی طور خوش آئند نہیں۔ اب معاملہ علمائے کرام اور منتخب عوامی نمائندوں تک آن پہنچا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ قبائلی عوام اور فوجی آپریشن کی سوچ میں ہم آہنگی نہیں۔ نیک محمد سمیت جو بھی اس آپریشن کا نشانہ بنا' اس کی نماز جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی اور اس کی قبر زیارت گاہ بن گئی۔ ہمارا مقصد جو بھی ہو' پاکستان دشمن قوتیں اس آپریشن سے خوش ہیں اور اس آگ کو بھڑکائے رکھنا چاہتی ہیں۔ آئی ایس پی آر کے سربراہ اور خود کور کمانڈر پشاور ایک سے زیادہ بار وزیرستان میں غیر ملکی ہاتھ کی کارفرمائی کا تذکرہ کر چکے ہیں۔

آج افغانستان میں پہلے پارلیمانی انتخابات ہو رہے ہیں۔ امریکی اہلکاروں کی زیر نگرانی منعقد ہونے والے ان انتخابات کا مقصد واضح ہے۔ جس طرح عظیم لوئی جرگہ نے کرزئی کے سر پر کلاہ صدارت رکھ دی تھی اس طرح یہ نام نہاد پارلیمانی انتخابات بھی اسے دستار فضیلت سے سرفراز کر دیں گے۔ امریکہ 149 ملین ڈالر خرچ کر کے جمہوریت کا سرکس' افغان عوام کے جذبہ و احساس کی حکمرانی کے لیے نہیں' اپنے لے پالکوں اور آغوش نشینوں کی فرمانروائی کے لیے سجا رہا ہے' اور کرزئی کا یہ جملہ ذہن میں رکھئے جو اس نے صدر بننے کے بعد کہا تھا کہ ''پاک افغان سرحد کے تعین کا فیصلہ نئی افغان پارلیمنٹ کرے گی''۔

چین اور واخان کے دشوار گزار قراقرم پہاڑی سلسلے سے کوہ ہندوکش کی برف پوش چوٹیوں تک پھیلی 2416 کلومیٹر طویل ڈیورنڈ لائن پر باڑ لگانا ممکن ہی نہیں لیکن اس وقت تجویز نے فتنوں کی آگ بھڑکا دی ہے۔ دنیا کے طعنوں سے عاجز آ کر ہم نے یہ تجویز پیش کر دی ہے۔ اس سے قبل بھارت' پاکستان سے ملنے والی سرحد اور ایل او سی پر باڑ لگا چکا ہے۔ ڈیورنڈ لائن پر باڑ لگ جانے کے بعد چین اور ایران سے ملنے والی مختصر سرحدی پٹیاں بچیں گی۔ ان پر بھی باڑ لگا دینے سے پاکستان محفوظ و مامون ہو جائے گا لیکن اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ پاکستان کو گوانتاناموبے کا پنجرہ بنا دینے کے بعد بھی ہم پر دراندازی اور دہشت گردی کا الزام نہیں لگے گا؟ اور صرف بحیرۂ عرب کے نیلگوں پانیوں کا دروازہ کھلا رہنے کے بعد دنیا ہمیں نیک پاک مان لے گی؟

(بشکریہ: روزنامہ نوائے وقت 19 ستمبر 2005ء)

''اخوان'' کی جدوجہد کا نیا دور

سید قاسم محمود

نحاس پاشا کی وزارتِ عظمیٰ کے زمانے میں حسن البنا نے شہر اسماعیلیہ کے حلقۂ انتخاب سے پارلیمنٹ کے لیے کھڑا ہونا چاہا' یہ شہر اخوان کی تحریک کا گہوارہ تھا۔ انتخاب لڑنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اخوان کی نمائندگی کرتے ہوئے پارلیمنٹ پر اثر انداز ہوں اور پارلیمنٹ کو اسلامی رنگ دینے کی کوشش کریں۔ لیکن وزیر اعظم نحاس پاشا نے ان سے کہا کہ وہ کاغذاتِ نامزدگی داخل نہ کریں۔ حسن البناء نے مصلحت کے تحت نحاس کی بات قبول کر لی۔ اس کے بدلے نحاس نے ''اخوان'' کے ساتھ مصالحانہ رویہ اختیار کیا۔ تقریبات اور اجتماعات کی اجازت دے دی اُن کے رسالے ''الفتح'' کا ڈیکلریشن بحال کر دیا اور اُن کا پریس کھول دیا۔

اب پھر برطانوی سفارت خانے کی طرف سے دباؤ پڑا۔ اس بار اخوان کو پہلے سے بھی زیادہ سخت ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ حکومت نے ''مرکز'' کے سوا اُن کے تمام شعبے بند کر دیئے۔ اجتماعات' مطبوعات اور دیگر سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کیں۔ ''اخوان'' نے حکومت کی تمام سختیوں کو بہت صبر و سکون کے ساتھ برداشت کیا' جس کے نتیجے میں حکومت نے بھی سختی کچھ کم کر دی۔ دونوں کے مابین صورتِ حال میں کمی بیشی ہوتی رہی۔ کبھی حکومت اُن کو چھوٹ دے دیتی تو ان کی سرگرمیاں نظر آنے لگتیں' اور کبھی پابندیاں سخت ہوتیں تو اخوان کی سرگرمیاں جاری تو رہتیں لیکن نظر نہ آتیں۔ لیکن جب تک نحاس پاشا وزیر اعظم رہے' وہ برابر حسبِ عادت زبانی یا تحریری اخوان کو نصیحت سے نوازتے رہے۔

نحاس پاشا کی وزارت کے بعد احمد ماہر کی وزارت آئی جس نے آغاز سخت گیری کی پالیسی سے کیا۔ ''اخوان'' کے جن ارکان نے 1941ء کی اپنی جنرل کانفرنس کے فیصلے کے مطابق اسلامی نظام لانے کے عزم سے پارلیمنٹ کا انتخاب لڑنا چاہا تھا' ان کو احمد ماہر کی حکومت نے اپنے ہتھکنڈوں سے ناکام کرا دیا۔

پارلیمنٹ کے اس الیکشن میں اہل اسماعیلیہ نے مصری انتخابی تاریخ میں پہلی بار اپنے مصارف خاص سے پروپیگنڈے کے لیے ساتھ خیمے نصب کیے تھے' جو انتخابی مہم کے دوران میں پروپیگنڈے کے لیے تمام دنوں میں شہر کے مختلف حصوں میں نصب رہے۔ شہر کے ہر شخص کی زبان پر تھا کہ استاد بھاری اکثریت سے جیت جائیں گے۔ عوام' محنت کش اور طلبہ سب کے نعرے استاد حسن البنا کے حق میں تھے' جن کو وہ اسلامی بیداری کی تحریک کا قائد سمجھتے تھے' لیکن مصر کی حکومت اور برطانیہ کی فوجی قیادت نے اُن کو ہرانے کے لیے تمام ممکنہ وسائل و ذرائع استعمال کیے۔ اس وقت اسماعیلیہ نہر سویز کے کنارے پر برطانوی فوج کی زبردست چھاؤنی تھی جو اس علاقے کی سیاست پر بہت زیادہ اثر انداز تھی۔

استاد حسن البنا کو پارلیمنٹ میں نہ لانے سے حکومت کا مقصد اوّل تو انگریزوں کو خوش کرنا اور دوم حکومت میں شریک ''آزاد دستور پارٹی'' کے امیدوار کو کامیاب کرانا تھا۔ برطانوی ہیڈ کوارٹر کی مزاحمت برطانوی سفارت خانے کی ہدایات کی بنا پر تھی جو ''اخوان المسلمین'' کی ایک ایک حرکت اور سرگرمی پر کڑی نظر رکھتا تھا' اور جانتا تھا کہ سامراجی

> استاد حسن البنا کو پارلیمنٹ میں نہ لانے سے حکومت کا مقصد اوّل انگریزوں کو خوش کرنا تھا

مقاصد کی کامیابی کے لیے وہ ایک زبردست خطرہ ہیں۔ چنانچہ انگریز فوجیوں کی ٹولیاں کھلے بندوں ''اخوان'' کے مخالف امیدواروں کے لیے کام کر رہی تھیں' جو ووٹروں کو پولنگ سٹیشن پہنچاتیں اور ہزاروں مزدوروں کو دور دراز کے علاقوں سے فوجی ٹرکوں میں لاتی تھیں' جن کا انتخابی حلقوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ دباؤ' دہشت انگیزی' جھوٹے وعدوں اور دھمکیوں کے باوجود حسن البنا اپنے مخالف پر کامیاب ہوئے۔ لیکن حکومت نے دونوں میں جعلی ووٹوں کے فرق کا بہانہ بنا کر محض استاد حسن البنا کو ہرانے کے لیے دوبارہ انتخاب کرایا۔ اس مرتبہ برطانوی فوجی علاقے سینا کے انگریز فوجی گورنر ''اخوان'' کے نمائندوں کو شہر عریش اور سینا کی انتخابی کمیٹیوں سے الگ کر دیا۔ فوجی گاڑیوں نے دور و نزدیک کی چھاؤنیوں سے مزدوروں کو لانے میں زیادہ سرگرمی سے کام لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض کمیٹیوں میں مخالف امیدوار کے حق میں پڑنے والے ووٹوں کی تعداد دونوں امیدواروں کے مجموعی ووٹوں کی تعداد سے بھی کئی گنا زیادہ ہوگئی۔ اس کھلی دھاندلی سے استاد حسن البنا اور دوسرے تمام اخوانی امیدوار اس دوسرے الیکشن میں بھی ہار گئے۔ ''اخوان'' نے الیکشن لڑنے کی یہ ساری جدوجہد اس مقصد کے پیش نظر کی تھی کہ پارلیمنٹ میں داخل ہو کر ارکان پارلیمنٹ پر اثر انداز ہو کر اسلامی نظام کے قیام کی راہ ہموار کی جا سکے۔

جنگِ عظیم کے دوران

پھر جب وزیر اعظم احمد ماہر نے جرمنی اور اٹلی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا تو ''اخوان'' نے اپنی پالیسی کے تحت اس کی مخالفت کی' اور اپنی تحریروں کے ذریعے وزیر اعظم کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اس دوران میں ''عیسوی'' نامی ایک شخص نے اسی سبب سے وزیر اعظم کو قتل کر دیا۔

حسن البنا اور اُن کی جماعت ''اخوان المسلمین'' کا ایک ہی مطالبہ تھا' یعنی اسلامی حکومت کا قیام اور اسلامی قوانین کا نفاذ۔ انہوں نے کہا کہ پچاس سال سے مصر میں غیر اسلامی آئین آزمائے جا رہے ہیں اور وہ سخت ناکام ہو چکے ہیں' لہٰذا اب اسلامی شریعت کا تجربہ کیا جانا چاہئے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مصر کے موجودہ دستور اور قانون کے ماخذ کتاب و سنت نہیں' بلکہ یورپ کے دستور اور قوانین ہیں جو اسلام سے متصادم ہیں۔ حسن البنا نے مصریوں میں جہاد کی روح پھونکی اور جہاد کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا اور بتایا کہ مصر ہی کے ایک عالم امام بدرالدین عینی شارح بخاری ایک سال جہاد کرتے تھے' ایک سال تعلیم و تدریس میں مشغول رہتے تھے اور ایک سال حج کرتے تھے۔

احمد ماہر کے قتل کا الزام حسن البنا اور ''اخوان'' پر عائد ہوا۔ چنانچہ نئے وزیر اعظم نقراشی نے اپنی حکومت کا افتتاح ''اخوان'' کے صدر اور اُن کے جنرل سیکرٹری اور سرکردہ اخوان رہنماؤں کی گرفتاری سے کیا۔ اُن پر تہمت لگائی گئی کہ وہ احمد ماہر کے قتل میں براہِ راست ملوث ہیں۔ اس گرفتاری کا اصل سبب غالباً یہ تھا کہ عیسوی نے پولیس کو بیان دیتے وقت یہ کہا تھا کہ وہ اعلانِ جنگ کے بارے میں ملک کے لیڈروں کی رائے لینا چاہتا تھا اور جن لیڈروں کے نام اس نے پولیس کو بتائے تھے' ان میں حسن البنا کا نام بھی شامل تھا' لیکن پولیس نے تفتیش کے بعد حسن البنا کو رہا کر دیا' جیل سے باہر آتے ہی ''مرشد'' احمد ماہر مقتول کی تعزیت کے لیے نقراشی کے پاس گئے اور ان سے خواہش ظاہر کی کہ ''اخوان'' پر سے پابندیاں ہٹائی جائیں اور انہیں کام کرنے کی اجازت دی جائے' مگر نقراشی نے ان کا یہ

مطالبہ مسترد کر دیا' بلکہ اُن کی سرگرمیوں' جلسوں' تقریبات' حتیٰ کہ گھروں کی بھی نگرانی زیادہ سخت کر دی۔ بعض اوقات حکومت حالات کے دباؤ میں مجبور ہو کر ان کو جلسوں اور کانفرنسوں کی اجازت دے دیتی تھی' لیکن جلد ہی پھر سختی اور ایذا رسانی کی سیاست پر عمل درآمد شروع ہو جاتا تھا۔

جنگِ عظیم کے خاتمہ کے بعد

دوسری جنگِ عظیم کے آغاز (1939ء) تک ''اخوان'' کی دعوت مشرقِ وسطیٰ کے بیشتر مسلم ملکوں میں جڑ پکڑ چکی تھی۔ لیکن ''اخوان'' کا سب سے مضبوط مرکز مصر ہی تھا۔ 1945ء میں جنگ کے خاتمے کے بعد ''اخوان'' نے عوامی سطح پر سیاست میں بھرپور حصہ لینا شروع کیا۔ لیکن اس کے مقابلے میں حکومت نے بھی اپنی نگاہیں زیادہ تنگ کر لیں۔ اب ''اخوان'' کے سخت ترین دورِ ابتلا کا آغاز ہوا' کیونکہ اس نے قومی تحریک کی قیادت کی تھی اور ملک کے حقوق مکمل طور پر حاصل کرنے کے لیے وطنی شعور کو بیدار کیا تھا' جس کا انگریزوں نے دورانِ جنگ وعدہ بھی کیا تھا کہ جیسے ہی جنگ ختم ہوگی اور صلح کا اعلان ہوگا' مصریوں کو ان کے حقوق دیئے جائیں گے۔

8 ستمبر 1945ء کو اخوان کی جنرل کونسل کا اجلاس ہوا۔ جماعت کے بنیادی نظام میں بعض ترامیم کی گئیں' جس سے جماعت کے وسیع تر مقاصد و وسائل کی وضاحت ہو گئی۔ انہوں نے مختلف قسم کی تجارتی کمپنیاں قائم کیں' جن سے جماعت کو بہت مالی فوائد حاصل ہوئے' اور جب مالی فوائد کے اثرات محنت کش طبقوں میں پہنچے' تو وہ بھی ''اخوان'' میں شامل ہونے لگے۔ ایک یومیہ اخبار نکالا گیا جس کا پہلا شمارہ 5 مئی 1945ء کو شائع ہوا۔ اِس طرح ان کی آواز مصر اور دیگر عرب ملکوں میں سنی جانے لگی۔ فوجی تربیتی دستے قائم ہوئے اور فوجی تربیت کے لیے مراکز قائم کیے گئے۔ یوں اب ''اخوان المسلمین'' محض ایک دینی و مذہبی جماعت نہیں رہی۔ حسن البنا کی نظر مصر و عرب سے برطانوی استعمار کے اخراج اور پوری امتِ مسلمہ کو ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرنا تھا۔ ''اخوان'' کے نئے مربوط نظام کے تحت ارکان کو مختلف قسم کے کام تفویض کیے گئے۔ ''امیر شعبہ'' کے واسطے سے ''مرشد'' (حسن البنا) کی بیعت کر کے انہوں نے اپنے وعدہ و پیمان کو پختہ کیا اور ہر اچھے برے وقت میں اطاعت کا عہد کیا۔ امیرِ اعلیٰ (مرشدِ عام) پر پورے اعتماد کا اظہار کیا' اور ''مرشدِ عام'' کا منصب تاحیات ان کے لیے مامور ہوا' یعنی نہ تو وہ خود اس منصب کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ''مجلسِ تاسیس'' کے فیصلے کے بغیر ان کو علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔

اخوان کی توسیع

صرف مصر میں ''اخوان المسلمین'' کے باضابطہ ارکان کی تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ گئی۔ منسوب ارکان اور ہمدردوں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ تھی۔ مصر میں اخوان کے شعبوں (شاخوں) کی تعداد دو ہزار اور سوڈان میں پچاس شعبے تھے۔ دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی شعبے قائم تھے' اور ہمدردوں اور مخلصین کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ مخالفین بھی ''اخوان'' کے خلوص اور وفا پیشگی سے متاثر تھے۔ اسی طرح مؤیدین بھی ہیں جو تمام اسلامی ملکوں اور یورپ اور امریکہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جماعت کی یہ حیرت انگیز توسیع اور گہری تنظیم' یہ چیزیں ایسی تھیں جو دوسری جنگِ عظیم کے بعد آنے والی مصری حکومتوں کی طرف سے اس کے مقابلے اور اس پر زیادہ سختیوں کا سبب بنیں۔

مرشد عام حسن البنا نے دوسری بار وزیراعظم نقراشی پاشا سے ملاقات کی اور اس سے مطالبہ کیا کہ قومی حقوق کے حصول اور وادیٔ نیل (مصر و سوڈان) کی آزادی و اتحاد کے لیے موثر اقدام کرے' ورنہ یہ کام قوم کے لیے چھوڑ دے۔ نقراشی نے حسن البنا کے اس مطالبہ کے ضمن میں ایک مکتوب حکومت برطانیہ کو بھیجا' جس کا جواب بھی آ گیا۔ اخوان کو برطانیہ اور مصر کے درمیان خط و کتابت کا یہ سلسلہ پسند نہیں آیا۔ چنانچہ اخوانی طلبہ نے ایک احتجاجی مظاہرہ کیا جس میں ''عباس پل'' کے حادثے میں پولیس کے ساتھ مظاہرین کا معرکہ پیش آیا۔ (دریائے نیل قاہرہ کے وسط سے گزرتا ہے' جس پر متعدد بڑے بڑے پل دوسری طرف جانے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک پل کا نام ''کوبری عباس'' ہے) اس خون ریز معرکہ آرائی کے نتیجے میں نقراشی کی وزارت مستعفی ہو گئی۔

جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد ''اخوان'' کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ قوم کا سیاسی شعور بیدار کیا جائے۔ اس کے لیے انہوں نے عام جلسوں' تقریروں' کتابچوں' دیہات اور قصبوں کے سفر وغیرہ' تمام وسائل استعمال کیے اور حزبِ اختلاف کی باگ ڈور سنبھالی۔ اخوان جو پہلے سے برطانوی استعمار کے خلاف طاقت کے استعمال کی داعی تھی' اس وقت اُس کی تمام سعی و جدوجہد اس مقصد کے لیے تھی' اور یہ بھی اس امید کے ساتھ کہ مصر مکمل آزادی حاصل کر سکے۔ اسماعیل صدقی کی وزارت آئی تو مظاہرے زیادہ وسیع اور پُرجوش ہو گئے۔ حسن البنا نے ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کو ایک ''قومی کونسل'' کی تشکیل کے لیے دعوت دی' تاکہ تمام قومی طاقتوں کو متحد و یکجا کیا جا سکے۔ لیکن سیاسی جماعتوں نے ان کی آواز پر لبیک نہیں کہا۔ اب انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ وزیراعظم صدقی کو توجہ دلائیں کہ برطانیہ سے بے نتیجہ گفتگو کا سلسلہ ختم کیا جائے اور علانیہ جہاد کا آغاز کیا جائے۔

''اخوان'' کی سرگرمیاں اس طریقے پر روز افزوں تھیں۔ حکومت کے شعبوں میں ان کی گرفت مضبوط ہونے لگی۔ ان کی طرف سے حکومت پر الزام لگایا گیا کہ وہ مصر اور اہلِ مصر کے حقوق سے چشم پوشی کرتے ہوئے' برطانیہ سے مصالحت بلکہ خوشامد اور چاپلوسی کا معاملہ اس حد تک برت رہی ہے کہ مصری حکومت کو برطانیہ کا ایجنٹ کہا جا سکتا ہے۔ حکومت نے ایسی غیر سرکاری کمپنیاں اور ادارے قائم کیے ہیں جو درپردہ انگریزوں کی ملکیت ہیں۔ محنت کش طبقوں کی بے روزگاری کا کوئی حل حکومت نہیں نکال سکی۔ وہ برطانیہ سے خواہ مخواہ کے مذاکرات ختم کرنے اور جہاد کا اعلان کرنے میں پس و پیش سے کام لے رہی ہے۔ حکومت نے اس الزام کا جواب یوں دیا کہ بہت سے ''اخوان'' کو گرفتار کیا۔ ان کے گھروں پر حملے کرائے گئے۔ ان کی جائیدادیں ضبط کی گئیں۔ ان کا اخبار اور پریس بند کر دیا گیا۔ ان کے نائب امیر کو گرفتار کر کے حوالات میں ڈال دیا۔ اخوان کی طرف سے بھی حملے کا دوبدو جواب دیا گیا۔ قاہرہ اور اسکندریہ میں دستی بم پھٹے۔ امن و امان تباہ ہوا۔ حکومت نے ''اخوان'' کے گھروں کا محاصرہ کر لیا۔ خانہ تلاشی کی گئی۔ صدقی حکومت نے بڑے پیمانے پر ''دفتری کارروائی'' کا آغاز کیا' یعنی سرکاری محکموں میں جتنے اچھے اچھے اخوانی ذمہ دار ملازمین تھے' اُن سب کا ملک کے دور دراز دیہی علاقوں میں تبادلہ کر دیا۔ (جاری ہے)

مدارس کے طلبہ

آج مختلف مکاتبِ فکر کے جتنے مدارس بھی پاکستان میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں' پاکستان کی 58 برس کی تاریخ گواہ ہے کہ ان مدارس کے طلبا میں نہ کوئی گروپنگ ہے' نہ جماعت سازی ہے' نہ ان کی کوئی آپس کی لڑائی یا تصادم ہے' نہ طلبہ یا اساتذہ کے درمیان کبھی محاذ آرائی ہوئی ہے' نہ کسی دینی مدرسے میں کبھی طلبہ نے کلاسوں کا بائیکاٹ کیا ہے' نہ اساتذہ کے خلاف کوئی تحریک چلائی ہے' نہ کسی مدرسے کے طلبہ یا اساتذہ نے قومی یا عالمی امن کے لیے کوئی مسئلہ پیدا کیا ہے۔ نہایت خاموشی کے ساتھ تقریباً نو سے دس سال لگا کر قرآن و حدیث' علوم فقہ' اصولِ فقہ' اصولِ حدیث' علم کلام' صرف و نحو اور منطق و فلسفہ جیسے علوم میں مہارت تامہ حاصل کرنے والے ایسے معصوم' بے ضرر' با اخلاق اور پُرامن طلباء اور اساتذہ آخر کس کے لیے خطرہ ہو سکتے ہیں؟

(فرمودہ: حکیم سید محمود احمد سرو سہارنپوری)
(بشکریہ ہفت روزہ تکبیر)

یادوں کی تسبیح

میری صُراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں   میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

—— قاضی عبدالقادر ——

شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے! تو سرگزشت پڑھنے سے پہلے' لیجئے آپ کی خدمت میں دو اشعار حاضر ہیں۔

میرے چہرہ پہ لکھی ہے سرگزشتِ ماہ و سال
میں کتابِ زندگی کا چلتا پھرتا باب ہوں

—— اور ——

میری تصویر کے یہ نقش ذرا غور سے دیکھ
ان میں ایک دور کی تصویر نظر آئے گی

میں ابتداء ہی میں یہ اعتراف کرلوں تو بہتر ہے کہ ادب کے معاملہ میں' میں خاصا بے ادب واقع ہوا ہوں۔ اس لیے میری اس آپ بیتی میں کوئی ادبی محاسن تلاش کرے تو اسے شدید مایوسی ہوگی۔ اسے ایک تحریکی کارکن کی ڈائری سمجھ لیجئے...... ایک ناکارہ کی حقیرسی کاوش...... جس نے نقطے اور لکیروں کی مدد سے اپنے بے ہنگم خیالات کو بے ربطگی کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا ہے۔

اس تن کی طرف دیکھو جو قتل گاہِ دل ہے
کیا رکھا ہے مقتل میں اے چشم تماشائی

مجھ پر جو کچھ گزری...... گفتنی و ناگفتنی...... سب کچھ اس میں کہہ گیا ہوں۔ بقول فیض احمد فیضؔ

ستم کی داستاں' کشتہ دلوں کا ماجرا کہیے
جو زیرِ لب نہ کہتے تھے وہ سب کچھ برملا کہیے
مُصر ہے محتسب' رازِ شہیدانِ وطن کہیے
لگی ہے حرفِ ناگفتہ پہ اب تعزیر بسم اللہ
سرِ مقتل چلو بے زحمت تقصیر بسم اللہ
ہوئی پھر امتحانِ عشق کی تدبیر بسم اللہ

ooo

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ﴾ (القلم:1)

''ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔''

بات ہی کچھ ایسی تھی' مجھے حیرت کیوں نہ ہوتی اور اُن کی قابلیت اور علمیت کا قائل کیوں نہ ہوتا! بھائی عبدالقدوس صاحب کو...... ایسا لگتا تھا جیسے...... سارے ہی ناموں کے ہجے ''منہ زبانی'' یاد ہیں۔ وہ اسکول میں میرے داخلہ کا فارم انگریزی میں بھر کر دوسرے لڑکوں کے فارم بھی بھر رہے تھے۔ ہر لڑکے کے نام بلکہ ان کے والد کے نام تک کے ہجے (Spelling) انہیں ایسے یاد تھے کہ فرفر لکھے جا رہے تھے۔ میں جو اسکول میں تیسری جماعت میں داخلہ کے لیے گیا تھا' میرے چھوٹے سے ذہن کے لیے واقعی یہ ایک تعجب کی بات تھی۔ بھائی عبدالقدوس جو میرے تایازاد بھائی تھے' اسی اسکول کے ایک سینئر طالب علم تھے۔ یہ یکم جولائی 1941ء کی صبح تھی جب میرے والد صاحب مجھے داخلہ کے لیے کبیر (Kubair) انٹر کالج لے گئے تھے۔ انٹر کالج تیسری سے بارھویں تک تھا۔ پہلی دو

کچی پہلی میں نے گھر پر پڑھی۔ ایک پنڈت جی پڑھانے آتے تھے اور پکی پہلی اور دوسری اسکول میں

کلاسیں اسی کالج سے ملحق پرائمری اسکول میں پڑھ کر اب میں تیسری کلاس میں داخل ہو رہا تھا۔

میری کہانی بھی عجیب ہے بلکہ غریب بھی۔ دو بہنوں کا میں اکلوتا بھائی تھا۔ میری ایک بہن کوئی سترہ سال کی (جن کی منگنی ہو چکی تھی) اور دوسری کوئی بارہ سال کی تھیں۔ میں جب ایک سال کا ہوا تو میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ اُن سے پہلے ایک بہن اور اُن کے بعد دوسری بہن بھی انتقال کر گئیں' یعنی دو سال کے اندر اندر گھر اجڑ کر رہ گیا۔ والدہ کے انتقال کے بعد میری بیوہ خالہ مجھے کانپور لے گئیں اور جب چار سال کا ہو گیا تو والد صاحب کے سپرد کر دیا۔ کچی پہلی میں نے گھر پر پڑھی' ایک پنڈت جی پڑھانے آتے تھے' اور پکی پہلی اور دوسری اسکول میں۔ انگریزوں کا راج تھا' وہ اُس وقت دنیا کی واحد سپر پاور تھے جن کی سلطنت میں کہیں سورج غروب نہ ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ہماری اُردو کی کتاب کا نام ''شہنشاہ ریڈر'' تھا۔ اس زمانہ کی تعلیم کا معیار آج جیسا نہ تھا۔ تعلیم واقعی تعلیم ہوتی تھی۔ اس کا اندازہ آپ یوں لگائیے کہ ہماری دوسری کلاس کی حساب کی کتاب کی آخری مشق کا ایک سوال تھا جسے دلچسپ جان کر میرے والد صاحب نے زبانی یاد کرا دیا تھا۔ آج 65 سال گزر جانے کے باوجود وہ مجھے لفظ بہ لفظ یاد ہے۔ سنیں گے آپ؟...... تو لیجئے سنئے اور داد دیجئے مجھے!

''ایک پیڑ پر ایک چڑیا بیٹھی تھی اور کچھ چڑیاں اڑی جا رہی تھیں۔ اُس نے کہا: آ دَری چڑیوں سو (100)۔ جواب ملا: ہم نہیں ہیں سو' جتنی ہیں ہم اتنی ہوں اور' اور ہوں آدھی' اور ہوں نو (9) اور ہو تُو...... تو ہوں سو (100)۔ تو بتاؤ کہ کتنی چڑیاں اڑی جا رہی تھیں؟''

اب میں دعوت دوں گا آپ سب بی اے' ایم اے حضرات تک کو کہ اسے دس منٹ میں (بغیر الجبرا کا سہارا لیے) حل کر کے بتا دیں' جیسے ہم دوسری کلاس کے بچوں نے اُس وقت منٹوں میں حل کر لیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اکثر کو ناکامی ہوگی۔ بات یہ تھی کہ آج کل تو بچوں کو پندرہ تک کے پہاڑے بمشکل یاد ہوتے ہیں' اُس زمانہ میں دوسری کلاس تک ہم لوگوں کو بیس تک پہاڑوں کے علاوہ پوا (1/4)' ادھا (1/2)' پونا (3/4)' ڈیوڑھا (1/2 -1) اور ڈھیا (1/2 -2) تک کے پہاڑے یاد کرائے جاتے تھے۔ اوپر کے سوال میں ہم نے سمجھ لیا کہ ڈھیا (1/2 -2) کا پہاڑہ چلے گا۔ یعنی جتنی ہیں ہم اتنی ہوں اور یعنی ڈبل' اور ہوں آدھی' یعنی دونوں مل کر 1/2 -2۔ اب جواب اس طرح حل ہوگا کہ پہلے 100 میں سے ایک نکالیں گے (یعنی اور ہو ''تُو'') رہ گیا 99' پھر 9 نکال دیں (یعنی اور ہوں ''نو'')۔ باقی بچا 90۔ اب 90 پر جب ڈھیا (1/2 -2) کا پہاڑہ apply کریں گے تو جواب 36 آئے گا۔ اب آپ چاہیں تو اس طرح بھی چیک کر سکتے ہیں:

36x 2- 1/2= 90+9+1=100

...... آیا کچھ خیال شریف میں!

کتابوں میں قصے اور کہانیاں بہت سبق آموز ہوتے تھے۔ مثلاً ایک کہانی کچھ اس طرح تھی۔ ایک چھوٹی سی پلیا پر دو بکرے آمنے سامنے آ رہے تھے۔ ایک نے کہا کہ تو پیچھے ہٹ' مجھے گزر لینے دے۔ دوسرے نے کہا کہ کیوں نہ تو پیچھے ہٹ' میں کیوں ہٹوں۔ بس اسی پر دونوں میں لڑائی ہونے لگی۔ وہ ایک دوسرے کو سینگ مار مار کر لہولہان ہو گئے اور پلیا سے نیچے نالے میں گر کر مر گئے۔ یہ تھا نااتفاقی کا نتیجہ...... تھوڑی دیر بعد پھر دو بکرے آمنے سامنے سے آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ راستہ صرف ایک کے نکلنے کا ہے۔ چنانچہ پلیا کے اوپر ایک بیٹھ گیا اور دوسرا اُس کے اوپر سے ہو کر گزر گیا' پھر دوسرے نے اٹھ کر اپنی راہ لی......

اس سے ہمیں یہ سبق ملا کہ گرم مزاجی' نااتفاقی اور لڑائی جھگڑے سے سوائے ہلاکت یا بربادی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر عقل سے کام لیا جائے اور اتفاق اور نرم مزاجی اختیار کی جائے تو لوہے اور پتھر کو بھی موم بنایا جا سکتا ہے......

یہ سبق ہم نے جبھی سے گرہ میں باندھ لیا...... بچوں کے ذہن بات کو جلد قبول کر لیتے ہیں۔ آپ اُن میں اچھی باتیں ڈالیں گے وہ اچھے بنیں گے' ان کی طرف سے بے خیالی برتیں گے تو وہ بگڑ جائیں گے اور ان کے غلط صحبت اختیار کرنے کا اندیشہ ہوگا۔

اب ایک قصہ اور سن لیجئے (میرا خیال ہے یہ چوتھی کلاس کی کتاب تھی)۔ ایک لڑکا گاؤں سے اپنے ایک رشتہ دار سے ملنے شہر آیا' جو وہاں سرکاری ملازم تھا۔ وہ لڑکا دفتر میں گیا۔ اس کا رشتہ دار وہاں اُس وقت موجود نہ تھا' کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا۔ لڑکا اس کے انتظار میں ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اتفاق سے وہ کرسی دفتر کے افسر کی تھی۔ افسر جب آیا اور ایک دیہاتی لڑکے کو اپنی کرسی پر بیٹھے دیکھا تو اُسے مار کر اور ذلیل کر کے بھگا دیا۔ لڑکا بہت حساس تھا۔ اس نے یہ تیر اپنے دل میں چبھتا محسوس کیا اور بدلہ لینے کی سوچی۔ مگر کیسے؟ وہ اس طرح کہ اس نے اسی دن سے پڑھنا شروع کر دیا۔ لڑکا ذہین تھا' خوب محنت کی' میٹرک کر کے بی اے تک جا پہنچا اور کامیاب ہو کر گریجویٹ ہو گیا۔ اُس نے شروع سے یہ نیت اور ارادہ کیا تھا کہ میں پڑھ لکھ کر سرکاری ملازمت کروں گا اور اُسی کرسی پر جا کر بیٹھوں گا جہاں سے ذلیل کر کے اور مار کر اٹھایا گیا تھا۔ اُس کی محنت آخر کو رنگ لائی۔ وہ سرکاری امتحان پاس کر کے' سرکاری ملازمت میں مختلف دفاتر میں کام کرنے کے بعد اُسی دفتر کی اُسی کرسی تک جا پہنچا' جہاں سے ذلیل کر کے اُٹھایا گیا تھا۔ ہمیں بچپن میں اس سے یہ سبق ملا کہ ''ناممکن'' (Impossible) کوئی چیز نہیں۔ انسان محنت کرے تو وہ سب کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ اسی لیے میری ڈکشنری میں ''Impossible'' نام کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ قرآن حکیم بھی کہتا ہے:

﴿وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی﴾ (النجم 39)

''اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد کرتے ہیں جو خود جدو جہد کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ﴾ (الرعد:11)

اس بات کو شعر کی شکل یوں دی گئی ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اس لیے حضرات محنت کیے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اُس کا پھل ضرور دے گا۔ دیکھیے' علامہ اقبال اس خیال کو کتنے لطیف پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔

یہ نیلگوں فضا جسے کہتے ہیں آسماں
ہمت ہو پر کشا تو حقیقت میں کچھ نہیں
بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں
آیا جو زیرِ پا' تو یہی آسماں زمیں

ہاں' آپ جانتے ہیں وہ لڑکا کون تھا؟ اُس کا نام تھا گنگا رام۔ اس نے اپنی محنت کا پھل پا کر بعد میں سرکاری

> ہمارے بیٹھتے ہی گھوڑی نے ایڑ لگائی۔ والد صاحب اُسے روکتے ہی رہ گئے مگر ہم دھڑام سے نیچے گر پڑے

ملازمت ترک کر کے تجارت شروع کر دی اور بہت کمایا۔ وہ ایک بڑا فیاض (Philanthropist) تھا۔ اُس نے دولت کا اکثر حصہ خدمت خلق کے کاموں میں خرچ کیا۔ اس کو انگریزی حکومت نے ''سر'' کا خطاب دیا۔ لاہور میں اسی سر گنگا رام کے ادارے گنگا رام ہسپتال اور گلاب دیوی ہسپتال وغیرہ آج بھی اس کے نام کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

ہمیں خوب یاد ہے' ابھی ہم کوئی چھ سال ہی کے تھے کہ ایک روز جو گھر سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک گھوڑی کھڑی ہے۔ والد صاحب اور چند دیگر احباب بھی وہاں موجود تھے۔ والد صاحب نے مجھے گھوڑی پر بٹھا دیا۔ میں منع ہی کرتا رہا کہ گر جاؤں گا مگر وہ شاید ''شہسوار'' بنانے پر مُصر تھے۔ اس سے پہلے ہم کبھی گھوڑی پر نہ بیٹھے تھے۔ ہمارے بیٹھتے ہی جو گھوڑی نے ایڑ لگائی تو والد صاحب اُسے روکتے ہی رہ گئے مگر ہم دھڑام سے نیچے گر پڑے۔ شکر ہے کوئی خاص چوٹ نہ آئی۔ والد صاحب کا کوئی ادبی مزاج نہ تھا' ورنہ کہتے کہ۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں
وہ طفل کیا گرے جو گھٹنوں کے بل چلے

کاش کہ والد صاحب نے چند سال کے بعد گھوڑی پر بٹھایا ہوتا اور ہم واقعی ''شہسوار'' بن جاتے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تو رات کے ''راہب'' بنانے کے لیے کافی تھے۔ چنانچہ ہم ہو جاتے ''رات کے راہب دن کے شہسوار''......

﴿ھُمْ رُھْبَانٌ بِاللَّیْلِ وَفُرْسَانٌ بِالنَّھَارِ﴾

اور کہتے کہ یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا......!!

قارئین کرام کہتے تو ہوں گے کہ ''آپ بیتی'' جو شخص لکھتا ہے وہ اپنا مفصل تعارف تو ضرور کراتا ہے۔ میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا' اس لیے مفصل تو نہیں' مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

☆ نام: تو آپ جانتے ہیں (''نامور'' ہوتے تو بتاتے!)

☆ تاریخ پیدائش: 2 فروری 1934ء مطابق 17 شوال 1352ھ مطابق 3 پھاگن 1341 ف۔ شب جمعہ اور وقت 2 بج کر 18 منٹ۔ (والد صاحب کی ڈائری سے ماخوذ)

☆ ولدیت: قاضی حافظ عبدالغفور ابن قاضی قاسم علی ابن قاضی مظہر علی

☆ مقام پیدائش: محلہ قاضی خیل' قصبہ ڈبائی' ضلع بلند شہر۔ یوپی (انڈیا)

ڈبائی جس کی 1947ء میں آبادی کوئی پندرہ ہزار کے قریب ہوگی' اس میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ یہ ایک بڑا قصبہ اور غلہ و اناج کی بڑی منڈی تھا۔ کالج' اسکول' اسپتال' ڈاکخانہ' بینک' بازار سب ہی وہاں تھے۔ بڑا مردم خیز قصبہ ہے۔ معروف ادیب' مصنف اور کالم نگار سید انتظار حسین اور بلوچستان یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر پروفیسر کرار حسین مرحوم کے علاوہ ممتاز شاعر ماہر القادری مرحوم کا تعلق ڈبائی ہی سے تھا۔ ماہر القادری ڈبائی سے دو میل دور ایک گاؤں کسیر کلاں (جہاں ڈبائی کا ریلوے اسٹیشن تھا) میں رہتے تھے۔

☆ والد صاحب: قصبہ کے ایک بڑے زمیندار اور نمبردار تھے۔ گاؤں اور قصبات میں کسی معزز شخص کو حکومت کی جانب سے کھیا (آنریری مجسٹریٹ) بنایا جاتا تھا۔ والد صاحب ڈبائی کے کھیا تھے۔ حکومتی افسران اور اہلکار (تھانہ دار وغیرہ) قصبہ کے معاملہ میں اکثر کھیا ہی سے مشورے لیتے تھے۔

☆ خاندان: ہمارا خاندان قاضیوں کا تھا۔ ہمارے کوئی جد امجد مسلم حکمرانوں کے دور میں غزنی (افغانستان) سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے اور اس علاقہ کے قاضی مقرر کیے گئے تھے۔ (جاری ہے)

❁❁ ضرورت رشتہ ❁❁

☆ بیٹی عمر 25 سال' تعلیم ایف اے' فاضلہ کورس پاس' تدریس کا دو سالہ تجربہ' صوم و صلوٰۃ کی پابند' نیک سیرت کے لیے دینی گھرانے کا رشتہ درکار ہے۔
رابطہ: مولانا محمد اقبال نعمانی' علی پور چٹھہ
فون: 0300-7796140

☆ پابندِ شریعت' حافظ قرآن' عمر 34 سال کو بوجہ اولاد دوسری شادی کے لیے نیک سیرت' گھریلو' باپردہ' عمر 30 سال تک لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ حافظ یا عالمہ کو ترجیح دی جائے گی۔
رابطہ: حافظ محمد طاہر
فون: 0333-4383391

بانی تنظیم اسلامی محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد

کے ساتھ سوال و جواب کی نشست

سوال: کچھ لوگ قرآنی آیات کے وظائف بتاتے ہیں کہ فلاں آیت کو اگر اتنی مرتبہ پڑھو تو پریشانی دور ہو جائے گی یا کام ہو جائے گا۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (ایک خاتون' نام نہیں لکھا)

جواب: ہمارے ہاں قرآن مجید سے جو اوراد اور اشکال لیے گئے ہیں' ان میں کچھ اضافے بھی کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً اس آیت کے فوراً بعد یہ بھی پڑھو وغیرہ' اگر ان الفاظ کے اندر کوئی کفر اور شرک نہیں ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس اضافی جملے کو قرآن سمجھ کر نہیں پڑھا جاتا۔ البتہ یہ قرآن مجید کا اصل مصرف نہیں ہے۔ قرآن مجید ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے۔ لہٰذا مقصود یہ ہے کہ اس کو پڑھو' سمجھو' اس پر عمل کرو۔ یہ کہنا کہ فلاں آیت کا ورد کرو گے تو فلاں تکلیف سے نجات مل جائے گی۔ یا فلاں آیت کو اس طریقے سے اتنی مرتبہ پڑھو گے' تو تمہاری فلاں خواہش پوری ہو جائے گی' یہ درحقیقت قرآن کا صحیح مصرف نہیں ہیں۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں' جو ہماری دنیاوی ضرورتیں یا تکالیف ہوتی ہیں' قرآن مجید ان کو دور کرنے کے لیے نہیں آیا ہے۔ قرآن مجید کتاب ہدایت ہے' اور گمراہی کو دور کرنے کے لیے آیا ہے۔ ہمیں اسی عظیم مقصد کے لیے قرآن سے استفادہ کرنا چاہیے۔

سوال: یہود پہلے عقیدہ رکھتے تھے کہ آپس میں جھوٹ نہ بولیں' دھوکہ نہ دیں جبکہ اُن کے نزدیک غیر یہود کے ساتھ جھوٹ بولنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیا اب بھی یہود کا یہی عقیدہ ہے؟ (عدنان سلیم' لاہور)

جواب: ان کا اب بھی یہی عقیدہ ہے۔ اصل میں یہود کے سارے معمولات ان کی کتاب ''تالمود'' کے مطابق ہیں۔ تورات درحقیقت اب ان کی اصلی کتاب نہیں رہی۔ بلکہ عملی اعتبار سے ان کی اصل کتاب تالمود ہے اس کے اندر ان کے یہ عقیدے موجود ہیں۔ اگرچہ لوگوں کے سامنے نہیں وہ مانتے' لیکن ان کی کتابوں میں یہ سب لکھا ہوا ہے۔

سوال: کیا ایسی کوئی انشورنس پالیسی لی جاسکتی ہے جس میں وہی رقم پالیسی کے اختتام پر ادا کی جاتی ہو جو جمع ہوئی ہو۔ نیز سود کے بارے میں رہنمائی فرمائیں؟

جواب: 1۔ سود بنیادی طور پر قرض لی گئی رقم پر اس طے شدہ اضافی رقم کو کہتے ہیں جو مقروض کو ادا کرنی پڑے۔

2۔ انشورنس پالیسی پر دو اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

ا) پریمیم کی رقم سودی سکیموں میں لگائی جاتی ہے۔

ب) انشورنس کی رقم کی ادائیگی حادثات سے مشروط ہوتی ہے جو کہ جائز نہیں۔ ایسی پالیسی خریدی جاسکتی ہے جس میں یہ خرابیاں موجود نہ ہوں۔

سوال: کیا اسلام میں خواتین کے چہرے کے پردے پر اختلاف ہے۔ جیسا کہ بعض مذہبی سکالر کا خیال ہے کہ اسلام میں چہرے کا پردہ ہے۔ جبکہ بعض علماء چہرے کے پردے کے قائل نہیں۔ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: اسلامی لٹریچر میں چہرے کے پردے کے حوالے سے تین قسم کے مکاتب فکر پائے جاتے ہیں۔

1۔ روایتی علماء کی اکثریت جوان لڑکی کے غیر محرم سے چہرے کے پردے کی قائل ہے۔ قرآن حدیث اور فقہائے اہل سنت کی آراء سے یہی مکتبہ فکر زیادہ قریب ہے۔

2۔ دوسرے مکتبہ فکر کے نزدیک چہرے کا پردہ وہاں ضروری ہے جہاں فتنے کا ڈر ہو۔

3۔ تیسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ چہرے کا پردہ ضروری نہیں ہے' خواہ فتنے کا ڈر ہو یا نہ ہو

ظاہر ہے پہلا نقطہ نظر زیادہ محفوظ ہے' جبکہ دوسرے نقطہ نظر میں اس بات کا تعین کرنا آسان نہیں کہ کس صورت میں فتنہ پیدا ہوگا اور کب نہیں۔ تیسرے نقطہ نظر کو مستند علماء میں کوئی پذیرائی حاصل نہیں۔

سوال: اُخروی نجات کا دارومدار ایمان پر ہے۔ کیا دل میں ایمان رتی برابر بھی ہوگا تو نجات ممکن ہے؟ (محمد باسط' گلشن راوی' لاہور)

جواب: جس انسان کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا' وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ اسی سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کسی شخص میں ایمان تو ہو لیکن نیکیوں کے مقابلے میں اعمال بد زیادہ ہوں' تو ایسا شخص جہنم میں جائے گا' لیکن چونکہ اس کے دل میں ایمان تھا' لہٰذا بالآخر وہاں سے نکال لیا جائے گا۔ یہ اہل ایمان کا متفقہ عقیدہ ہے۔

سوال: کیا ایسے شخص کی امامت میں نماز ادا کرنا جائز ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ بدعات میں مبتلا ہے۔ (عابد محمود)

جواب: ان کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ کہ نماز میں وہ وہی کچھ پڑھتے ہیں۔ کہ جو ہم پڑھتے ہیں نماز میں انہوں نے کوئی اور شے شامل نہیں کی۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے ﴿صلوا خلف کل بر و فاجر﴾ اس اصول کے تحت ہمیں زیادہ رخنے نہیں ڈالنے چاہئیں' ہاں اگر آپ کسی بہتر جگہ پر نماز ادا کر سکیں' کہ جہاں کے امام کے بارے میں آپ کو معلوم ہو کہ اس کے عقائد اور اعمال بہتر ہیں' تو یقیناً وہاں جا کر نماز پڑھیں' چاہے وہ فاصلے پر ہو۔ آپ کو ثواب زیادہ مل جائے گا' لیکن اگر آپ دوسری مسجد میں بھی جائیں تو امام کے فسق کی وجہ سے نماز باجماعت کو چھوڑنا درست نہیں ہوگا۔

سوال: آج کے دور میں خواتین اقامت دین کی جدوجہد میں اپنا حصہ کیسے ڈال سکتی ہیں؟

جواب: عورت اور مرد کے دینی فرائض میں بہت تھوڑا فرق ہوتا ہے۔ نماز فرض ہے لیکن مرد کے لیے مسجد کے اندر جا کر پڑھنا افضل ہے اور عورت کے لیے اپنے گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ یہ فرق تو ہے' لیکن نماز دونوں پر فرض ہے۔ اسی طرح حج دونوں پر فرض ہے' لیکن عورت بغیر کسی محرم کے حج کے لیے نہیں جاسکتی۔ مرد کے لیے ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔ اقامت دین کی جدوجہد کے اندر عورت کا حصہ ایک تو یہ ہے کہ وہ اپنے مردوں کو اس کام کے لیے تیار کرے۔ اپنے بچوں میں وہ ارادہ پیدا کرے' اپنے بھائیوں' اپنے شوہر اور اپنے باپ کو اس کام کے لیے تیار کرے۔ اس طرح بالواسطہ ان کا حصہ ہوسکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کام کے لیے زیادہ سے زیادہ انفاق مال کی غرض سے وہ اپنے خرچے کم کریں' اپنی ضریات کو کم کریں۔ حضرت خدیجہؓ کا سب سے بڑا کام یہی تھا کہ انہوں نے اپنی ساری دولت حضور ﷺ کے قدموں میں نچھاور کر دی تھی۔ ظاہر ہے کہ باہر جا کر اسلام کی دعوت دے کر مار کھانے والی بات تو ان کی نہیں ہوئی۔ لیکن انہوں نے جس طرح حضور ﷺ کی خدمت کی' آپ ﷺ کو ہمیشہ سہارا دیا' ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ دلجوئی کا انداز اختیار کیا۔ اس انداز میں خواتین اقامت دین کی جدوجہد میں شامل ہو سکتی ہیں۔

تنظیمی اطلاعات

☆ امیر تنظیم اسلامی نے مشورہ کے بعد جناب غازی محمد وقاص کو آئندہ دو سال کے لیے تنظیم اسلامی سمن آباد کا امیر مقرر کیا ہے۔

☆ اسی طرح جناب محمد جہانگیر کو آئندہ دو سال کے لیے تنظیم اسلامی علامہ اقبال ٹاؤن کا امیر مقرر کیا ہے۔

شہر کراچی میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے مقامات

نمازِ تراویح کے ساتھ

1	سوسائٹی	گلستانِ انیس کلب، نزد ہل پارک چورنگی، مین شہید ملت روڈ	حافظ عاکف سعید صاحب
2	ڈیفنس فیز 6	مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، خیابانِ راحت، درخشاں	جناب شجاع الدین شیخ صاحب
3	یاسین آباد	شمیم گارڈن شادی لان، گلشن شمیم، بلاک 9، فیڈرل "بی" ایریا	انجینئر نوید احمد صاحب
4	PIB کالونی	PIB لان (بس روٹ نمبر 8 کا آخری اسٹاپ)	مفتی طاہر عبداللہ صدیقی صاحب
5	نارتھ ناظم آباد	نوبل پوائنٹ شادی ہال، نزد نجی حسن چورنگی	جناب عامر خان صاحب
6	گلشن اقبال	فاران کلب، نزد نیشنل اسٹیڈیم، بالمقابل مشرق سینٹر (زیر اہتمام فاران کلب انٹرنیشنل)	جناب اعجاز لطیف صاحب
7	کورنگی	قرآن مرکز کورنگی، متصل جامع مسجد طیبہ، سیکٹر 35-A، کورنگی نمبر 4	جناب محمد نعمان صاحب
8	گلستانِ جوہر	بسم اللہ ہلز، نزد ہل ٹاپ لان، بلاک 17، گلستانِ جوہر	انجینئر افتخار عالم صاحب
9	ملیر	کہف ماڈل اسکول، نزد شمسی کمیونٹی سینٹر (میرج لان)، وائرلیس گیٹ، شاہراہ فیصل	انجینئر نعمان اختر صاحب
10	ڈیفنس فیز 2	قرآن سینٹر، مکان نمبر 1-A/1، متصل ڈیفنس لائبریری	انجینئر فیصل منظور صاحب

نمازِ تراویح کے بعد

1	لانڈھی	قرآن مرکز لانڈھی، مکان نمبر 861، سیکٹر 37-D، لانڈھی نمبر 2، نزد رضوان سوسائٹی	جناب عثمان کاظمی صاحب
2	گلزارِ ہجری	قرآن مرکز، R-20، پایونیئر فاؤنٹین، فیز 2، KDA اسکیم 33	جناب محمد سلیم الدین صاحب
3	آرام باغ ☆	دفتر تنظیم اسلامی کراچی جنوبی، 11 داؤد منزل، شاہراہِ لیاقت، نزد فریسکو سوئیٹس	ڈاکٹر محمد الیاس صاحب

(درج بالا پروگراموں میں خواتین کے لئے شرکت کا باپردہ اہتمام ہے)

☆ صرف مرد حضرات کے لئے

برائے خواتین

1	ڈیفنس فیز 6	قرآن اکیڈمی، خیابانِ راحت، درخشاں	9:30 تا 12:30 دن
2	کورنگی	قرآن مرکز کورنگی، متصل جامع مسجد طیبہ، کورنگی نمبر 4	11 تا 1:30 دن
3	گلزارِ ہجری	رونی روز پیلس، R-20، گلزار ہجری	10 تا 12:30 دن
4	شاہ فیصل	R-C-5، گلشنِ اصغر، چھوٹا گیٹ، ایئرپورٹ	10 تا 12:30 دن
5	برنس روڈ	پہلی منزل، ظفر اسکوائر، گلی نمبر 4	رات 9 تا 10:30
6	گلزارِ ہجری	R-1، بلاک B، وائٹ ہاؤس	10 تا 12:30 دن
7	گلشن اقبال	فلیٹ نمبر 6، امتیاز اسکوائر، بلاک 6	10 تا 12:30 دن
8	گلستانِ جوہر	C-12/B، بلاک 7	10 تا 12:30 دن
9	رضوان سوسائٹی	الہدیٰ لائبریری، رضوان سوسائٹی، اسکیم 33	10 تا 12:30 دن
10	گلستانِ جوہر	B-152، بلاک 13	10 تا 12:30 دن
11	گلستانِ جوہر	رابعہ بنگلوز، R-9، بلاک 18	10 تا 12:30 دن
12	گلشن اقبال	129، ارم ہاؤس، راشد منہاس روڈ، بلاک 11	10 تا 12:30 دن
13	ڈیفنس فیز 2	J-40، F/3 Ext.، بالمقابل Aiva کمپنی	10 تا 12:30 دن

مزید تفصیلات کے لئے رابطہ فرمائیں: 4993464-5 ، 5340022-3

بقیہ: اداریہ

صدر مشرف کا یہ کہنا کہ وہ مستقبل میں تہذیبوں کے ٹکراؤ کا کوئی امکان نہیں دیکھتے' حقیقت سے آنکھیں چرانے کے مترادف ہے۔ حالات واضح طور پر اِس تصادم کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا امریکہ اِس تصادم سے بچنے کے لیے مسلم دنیا میں اپنے معاشی اور سیاسی مفادات قربان کر دے گا؟ امریکی نکتہ نظر سے یہ قوم اور ملک سے غداری ہوگی' اور یہودی اپنی سرشت کے مطابق سپر پاور کی پشت پر ہوں گے' اور اِس پشت پناہی کی پوری پوری قیمت وصول کریں گے۔ علاوہ ازیں ہم چونکہ ان احادیث پر بھی یقین رکھتے ہیں جن کے مطابق یہودی لیڈر دجال' اہل ایمان پر قیامت ڈھائے گا' مہدی کا ظہور ہوگا اور نزول مسیح سے فتنہ یہود کا خاتمہ ہوگا' لہٰذا کوئی دل پذیر تقریر' کوئی مصلحت' کوئی عملیت پسندی یا زمینی حقائق کے ادراک کا مدلل لیکچر اور خوبصورت لفاظی سے مزین وعظ یہودیوں کو مسلمانوں کا دوست نہیں بنا سکتا۔ انہوں نے اپنے عمل سے خود کو دنیا میں ابلیس کا ایجنٹ ثابت کر دیا ہے' لہٰذا یہودی رہتے ہوئے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرنا اور اُن سے خیر کی توقع کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ان کوششوں سے مسلمانوں پر طاری غفلت اور گہری ہو جائے گی اور شاید یہودیوں کا اصل مقصد بھی یہی ہو۔

نماز کے بعد تسبیحات کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فقیر مہاجرین' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مالدار لوگ بلند درجات حاصل کر گئے اور ہمیشہ کی نعمتوں کو پہنچ گئے۔ وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں' لیکن ان کے پاس مال زیادہ ہے' اس لیے وہ حج' عمرہ' جہاد اور صدقہ خیرات کرتے ہیں (لیکن ہم نہیں کر سکتے)۔ آپؐ نے فرمایا کہ: ''میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس کی وجہ سے تم ان لوگوں کا درجہ حاصل کر لو' جو تم سے آگے ہیں اور ان لوگوں سے آگے ہو جاؤ جو تمہارے پیچھے ہیں اور تم میں سے کوئی شخص زیادہ فضیلت والا نہیں ہو سکتا مگر وہ شخص جو تمہارے عمل جیسا عمل کرے''۔ انہوں نے عرض کیا ضرور' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ نے فرمایا: ''تم ہر نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ' الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھو (ابو صالح راوی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ جب ان کے پڑھنے کی کیفیت کے بارے سوال کیا گیا تو فرمایا وہ سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر تینتیس بار پڑھے' یہاں تک کہ ہر کلمہ تینتیس بار پڑھا جائے۔

(متفق علیہ)

پریس ریلیز

16 ستمبر 2005ء

''دین سے بے وفائی کے سبب ہم خوفناک انجام کی طرف بڑھ رہے ہیں''

مشرف شیرون ملاقات اتفاقی تھی یا طے شدہ، اصل صورتِ حال سے سب واقف ہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ آج ہم اپنی آزادی کھو چکے ہیں' ہمارے تمام فیصلے غیر کر رہے ہیں اور امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنا قومی سطح پر ہمارا مقصد حیات بن چکا ہے۔ ان حالات میں اہم سوال یہ ہے کہ اس مشکل گھڑی اور آزمائش میں ہمارے لیے نجات کی راہ کون سی ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطاب جمعہ کے اختتام پر کیا۔ انہوں نے کہا کہ سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الانشراح کا اصل سبق یہ ہے کہ دکھ سکھ' راحت' رنج' آسانی و مشکل اور امتحانات و آزمائش سے سب کو گزرنا پڑتا ہے' افراد کو بھی اور اقوام کو بھی۔ مشکلات اور امتحانات سے گزر کر ہی ترقی کے راستے کھلتے ہیں۔ چنانچہ کوئی قوم یا فرد اگر اللہ اور دین کے ساتھ خلوص و اخلاص کا معاملہ رکھے تو کسی سخت آزمائش کے بعد اللہ کی رحمت سے قوی امید ہوتی ہے کہ خیر برآمد ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو سخت آزمائشوں سے گزار کر بلند مقامات عطا کیا کرتا ہے لیکن ہمارا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ من حیث القوم ہمارا ایمان بظاہر اللہ پر ہے لیکن یقین اور توکل امریکہ پر ہے۔ ہم امریکہ کی رضا اور یہود و نصاریٰ کو خوش کرنے کی خاطر دین کا حلیہ بگاڑنے اور اللہ کو ناراض کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آج ہم جس آزمائش سے دوچار ہیں اس میں سارا قصور ہمارا اپنا ہے اور ہم ایک خوفناک انجام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ لیکن اگر اس آزمائش سے یہ خیر برآمد ہو جائے کہ ہم ہوش میں آجائیں' اپنا قبلہ درست کر لیں اور اصلاح احوال پر کمر بستہ ہو جائیں تو اللہ کی رحمت اب بھی ہمارے شامل حال ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر ہم نے اللہ، اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ سے بے وفائی کی روش جاری رکھی تو پھر ہمیں اس انجام بد سے کوئی نہ بچا سکے گا جس کی طرف ہم بڑی تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔

(جاری کردہ: تنظیم اسلامی' پاکستان)

فلک سیر (ٹورسٹ) ریزورٹ ساگر ریسٹورنٹ ملم جبہ' سوات

9,600 فٹ بلندی پر واقع وادی سوات کے نہایت دلفریب اور پرفضا مقام **ملم جبہ** میں قیام و طعام کی بہترین سہولتوں سے آراستہ

جدید تعمیر شدہ شاندار ہوٹل

مینگورہ سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر اور سیاحت کارپوریشن پاکستان کی چیئر لفٹ سے چار کلومیٹر پہلے کھلے' روشن اور ہوادار کمرے' نئے قالین' عمدہ فرنیچر' صاف ستھرے ملحقہ غسل خانے' اچھے انتظامات اور اسلامی ماحول

رب کائنات کی خلاقی و صناعی کے پاکیزہ و دلفریب مظاہر سے قلب و روح کو شاد کام کرنے کا بہترین موقع

تحریکی بھائیوں کے لئے خصوصی رعایت

فلک سیر کارپوریشن' جی ٹی روڈ' امانت کوٹ' مینگورہ سوات

فون دفتر: 0946-725056' ہوٹل: 0946-835295' فیکس: 0946-720031

تنظیم اسلامی گوجرانوالہ کا احتجاجی مظاہرہ

تنظیم اسلامی حلقہ گجرانوالہ کے زیر اہتمام 4 ستمبر بروز اتوار سیالکوٹ میں ایک پُر امن احتجاجی مظاہرہ کا اہتمام کیا گیا۔ یہ مظاہرہ سودی معیشت' جوا اور لاٹری جیسے منکرات کے خلاف کیا گیا۔ دن ساڑھے دس بجے کے قریب سیالکوٹ کے مصروف کاروباری علاقہ چوک علامہ اقبال میں تمام رفقاء جمع ہو گئے۔ یہ رُفقاء مختلف شہروں سے اِس مظاہرے میں شرکت کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ ان شہروں میں گجرانوالہ' گجرات' پھالیہ' قلعہ کالو والا' منڈی بہاؤ الدین اور سیالکوٹ کے مضافاتی علاقے شامل ہیں۔ مظاہرین نے سودی معیشت اور غیر شرعی نظام حکومت کے خلاف پلے کارڈز اور بینرز اٹھا رکھے تھے۔

یہ مظاہرہ نہایت پُر امن اور منظم طریقے سے تقریباً 45 منٹ تک جاری رہا۔ اُس کے فوراً بعد مظاہرین نے سیالکوٹ کے ایک اور مقام کشمیر روڈ چوک گلستان سینما' کوٹلی بہرام پر بھی اِس مظاہرے کو منظم انداز میں پُر امن طور پر انجام دیا۔ یہاں بھی تقریباً 45 منٹ تک یہ مظاہرہ ہوا۔ اِس کے بعد جناب شاہد رضا ناظم حلقہ گجرانوالہ کے حکم پر مظاہرین منتشر ہو گئے۔
(رپورٹ: اسد عثمان شمسی' سیالکوٹ)

امیر محترم و ناظم اعلیٰ کا دورۂ کوئٹہ

امیر محترم و ناظم اعلیٰ 27 اگست کو بذریعہ ٹرین کراچی سے کوئٹہ تشریف لائے۔ اسی روز مرکزی ناظم تربیت جناب شاہد اسلم صاحب بھی لاہور سے کوئٹہ تشریف لائے۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق 27 اگست کو نماز عصر کے بعد رفقاء و احباب کی امیر محترم و ناظم اعلیٰ سے ملاقات' تعارف اور سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ یہ پروگرام نماز عشاء تک جاری رہا جس میں 17 رفقاء اور 13 احباب نے شرکت کی۔ دوسرے روز 28 اگست کو صبح کے اوقات میں تربیتی پروگرام کا آغاز ہوا جس میں حلقہ سندھ زیریں سے 7 رفقاء کل وقتی' ایک رفیق نے جز وقتی اور حلقہ بلوچستان سے 5 حضرات نے کل وقتی اور 2 نے جز وقتی شرکت کی۔ اسی روز جناب فریس احمد مسعود صاحب بھی کراچی سے تشریف لائے۔

ابتدائی تعارف کے بعد جناب فریس احمد مسعود صاحب نے ''معاملات'' کے موضوع پر لیکچر دیا۔ بعد میں مرکزی ناظم تربیت جناب شاہد اسلم صاحب نے ''انفاق فی سبیل اللہ'' پر گفتگو کی۔ شام کے اوقات میں جناب ناظم اعلیٰ نے ''تنظیم اسلامی میں نقیب کا کردار'' کے عنوان کے تحت مذاکرہ کنڈکٹ کیا۔ اس روز کا عشائیہ بلوچستان کے سابق گورنر جناب سید فضل آغا صاحب کے دولت کدہ پر تناول کیا گیا' کیونکہ جناب فضل آغا صاحب ہمارے رفیق تنظیم جناب ظہیر الدین صاحب کے دوست ہیں اور QTV پر بانی محترم اور امیر محترم کا دورۂ ترجمہ قرآن شوق سے دیکھتے ہیں۔

دوسرے روز کے پروگرام کا آغاز تہجد اور ذکر و اذکار سے ہوا۔ نماز فجر کے بعد تلاوت و تجوید کا پیریڈ ہوا۔ ناشتے کے بعد امیر محترم جناب حافظ عاکف سعید صاحب نے ''ماتحت رفقاء کا نظم بالا اور نظم بالا کا ماتحت رفقاء سے تعلق'' کے موضوع پر تقریباً دو گھنٹے خطاب فرمایا۔ (اس کے بعد امیر محترم لاہور تشریف لے گئے۔) چائے کے وقفے کے بعد جناب عبدالسلام عمر صاحب نے ''عبادات'' کے موضوع پر شرکاء تربیت گاہ سے خطاب کیا۔ بعد میں جناب فریس احمد مسعود صاحب نے ''حکمت دعوت و تبلیغ'' پر لیکچر دیا۔ تیسرے روز جناب اظہر بختیار خلجی نے ''نظام اسرہ کے خدوخال اور رپورٹنگ کا نظام'' کے عنوان کے تحت خطاب کیا۔ اس طرح یہ پروگرام صبح 11 بجے دعا پر اختتام پذیر ہوا۔ (رپورٹ: جاوید انور)

حلقہ جنوبی پنجاب کے زیر اہتمام احتجاجی مظاہرہ

تنظیم اسلامی حلقہ جنوبی پنجاب کے زیر اہتمام 5 ستمبر کو سودی نظام کے خلاف ملتان شہر میں ایک پُر امن احتجاجی مظاہرہ ہوا۔ اس مظاہرے میں تنظیم اسلامی وہاڑی کے علاوہ ملتان شہر کی تینوں تنظیم کے رفقاء نے بھرپور شرکت کی اور حلقہ کے منفرد رفقاء بھی اس پروگرام میں شریک ہوئے۔ ٹھیک چار بجے دن تمام رفقاء نواں شہر چوک میں جمع ہو گئے۔ رفقاء چوک میں چاروں اطراف مختلف بینرز اور تنظیمی جھنڈے تھامے کھڑے رہے۔ کچھ رفقاء اس دوران ہینڈ بل بھی تقسیم کرتے رہے۔ ٹھیک پانچ بجے نماز عصر ادا کی گئی۔ نماز کے بعد تمام رفقاء ایک ریلی کی شکل میں روزنامہ خبریں کے دفتر کے سامنے اکٹھے ہوئے اس کے بعد وہاں سے یہ ریلی روزنامہ نوائے وقت کے دفتر روانہ ہوئی۔ تقریباً چھ بجے تک یہ ریلی و مظاہرہ کا پروگرام جاری رہا۔ آخر میں امیر حلقہ سعید اظہر عاصم صاحب نے تمام رفقاء کا شکریہ ادا کیا اور مختصر خطاب فرمایا۔ اختتامی و دعائیہ کلمات کے ساتھ یہ پروگرام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔
(مرتب: شوکت حسین)

تنظیم اسلامی سرگودھا کا سود کے خلاف مظاہرہ

5 ستمبر 2005ء بروز سوموار نو بجے تقریباً تمام رفقاء پہنچ چکے تھے۔ مقامی معتمد عبدالخالق نے مظاہرے کی تفصیلات دوبارہ واضح کیں اور شہر میں دفعہ 144 کے ہونے پر دوبارہ مشاورت لی تاکہ مظاہرہ بہترین طریقہ سے سامنے آ سکے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کی تجویز پر مظاہرے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ پہلے دو گھنٹے ہینڈ بلز کی تقسیم کے لئے اور باقی ڈیڑھ گھنٹہ ریلی کے لیے مختص کیا گیا۔ سود کی حرمت کو واضح کرنے کے لیے بینرز اور پول بینرز ایک روز پہلے ہی شہر کی گنجان آباد گزرگاہوں اور دیگر نمایاں جگہوں پر آویزاں کر دیے گئے تھے۔ ٹھیک دس بجے اللہ تبارک و تعالیٰ سے مدد خاص اور خیر کی دعا کرنے کے بعد طے شدہ جگہوں کے لیے رفقاء روانہ ہو گئے۔ مظاہرہ میں سرگودھا کے کل 30 رفقاء میں سے 9 ملتزم اور 5 مبتدی رفقاء نے شرکت کی۔ سخت گرمی' شدید حبس اور افرادی قوت کی کمی کے باوجود مظاہرے میں شریک رفقاء نے بہت لگن اور تندہی سے ہینڈ بلز تقسیم کیے۔ راستے میں آنے والے بنکوں میں بھی کافی تعداد میں یہ ہینڈ بلز تقسیم کیے گئے۔ اس کے بعد رفقاء ریلی کے لیے مجوزہ جگہوں پر بازار میں پہنچ گئے۔ یہ سارے رفقاء مناسب باہمی فاصلے سے ہاتھوں میں پول بینرز اور دلوں میں نہی عن المنکر کے فریضے کو ادا کرنے کی تڑپ لیے' ایک امیر کی اطاعت میں اور افرادی قوت کی کمی کو خاطر میں نہ لائے بغیر رواں دواں تھے۔ کسی نے دعا دی' کسی نے فقرہ کسا' کسی نے ہمت بندھائی' کوئی پول بینرز پر غور کر رہا تھا تو کوئی پول بینرز پکڑنے والوں پر غور کر رہا تھا۔ لیکن ایک حیرت کا تأثر سب کے چہروں سے واضح تھا کہ نہ گلے پھاڑنے والے نعرے سنائی دیئے' نہ مظاہرین کا ہجوم نظر آیا' نہ ٹریفک میں خلل پڑا' نہ بدنظمی تھی نہ توڑ پھوڑ۔ سب کی نگاہیں شہادت دے رہی تھیں کہ پیغام ان تک پہنچ گیا۔ اس مظاہرے میں 14 مبلغین حق نے تقریباً 4000 ہینڈ بلز دست بدست تقسیم کیے۔ نہ کوئی ہینڈ بل پھینکا گیا' نہ کسی بچے کو دیا گیا نہ کسی کی خالی نشست پر چھوڑا گیا۔ اکثر نے ایک سے زیادہ طلب کیے۔ ریلی کا اختتام ایک گنجان آباد چوک میں کیا گیا۔ وہاں پہنچ کر رفقاء نے پول بینرز سمیٹ دیئے اور امیر صاحب سے اجازت اور دعا لے کر اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔
(رپورٹ: عبدالخالق)

تنظیم اسلامی حلقہ بالائی سندھ کے زیر اہتمام سکھر میں مظاہرہ

مرکز سے دیئے گئے پروگرام کے مطابق سود اور پاک اسرائیل تعلقات کے حوالے سے 5 ستمبر بروز پیر کو مظاہرہ ہوا۔ رفقاء نے سود کے خلاف ہینڈ بلز کی تقسیم کا Door to Door اہتمام کیا۔ اس کے علاوہ سود اور پاک اسرائیل تعلقات کے حوالے سے 20 عدد بینرز اور 18 عدد ٹی بورڈ بھی تیار کرائے گئے تھے۔ میگافون کے ذریعے سود کی تباہ کاریوں

ور پاک اسرائیل تعلقات کے حوالے سے تنظیم اسلامی کا موقف عوام کے سامنے رکھا اور کچھ رفقاء ہینڈ بلز تقسیم کرتے رہے۔ یہ مظاہرہ خاموشی کے ساتھ کیا گیا۔ بینرز اور نی بورڈز پر مختلف عبارات تحریر تھیں جس میں تنظیم اسلامی کی دعوت اور اس کے پروگرام کو واضح کیا گیا تھا۔ مظاہرہ نمازِ عصر کے بعد ہوا اور نمازِ مغرب سے 15 منٹ پہلے اختتام پذیر ہوا۔ مظاہرے میں 50 رفقاء واحباب نے شرکت کی۔ (رپورٹ: نصر اللہ انصاری)

حلقہ بہاول نگر کا احتجاجی مظاہرہ

حکومت نے اسرائیل سے سفارتی تعلقات استوار کر کے فلسطینی جدوجہد آزادی کے مجاہدین کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار تنظیم اسلامی حلقہ بہاول نگر و بہاول پور کے امیر محمد منیر احمد نے سٹی چوک بہاول نگر میں ایک احتجاجی مارچ کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کا یہ اقدام نظریۂ پاکستان کے منافی اور ملکی سلامتی کے لیے نہایت خطرناک ہے۔ انہوں نے سود کی لعنت کو ختم کرنے اور اسرائیل سے سفارتی تعلقات قائم نہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ سود کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ اللہ اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ ہے حکمران اس سے باز رہیں اور سپریم کورٹ میں اس کا دفاع کرنے سے رک جائیں ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہم سب کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے۔ اس موقع پر محمد صادق ایڈووکیٹ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان حکومتی اقدامات سے عالمِ اسلام میں پاکستان کا وقار مجروح ہوا ہے اور ہم فلسطینیوں کی تحریک آزادی اور اللہ تعالیٰ سے غداری کے مرتکب ہوئے ہیں۔ انہوں نے خبردار کیا کہ حکومت اسرائیل سے سفارتی تعلقات قائم کرنے سے باز رہے ورنہ اس کے نتائج نہایت خطرناک ہوں گے۔

قبل ازیں تنظیم اسلامی حلقہ بہاول نگر اور بہاولپور کے کارکنوں کی ایک کثیر تعداد نے سود کی لعنت اور اسرائیل سے سفارتی تعلقات کے خلاف کامرس کالج چوک سے سٹی چوک تک پُرامن مارچ کیا۔ اس موقع پر ہزاروں کی تعداد میں ہینڈ بلز عوام میں تقسیم کیے گئے۔ شرکاء نے بینرز اور پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے جن پر مذکورہ حکومتی اقدامات کے خلاف نعرے درج تھے۔ (ناظم نشر و اشاعت، بہاول نگر)

النصر لیب

مستند اور تجربہ کار ڈاکٹروں کی زیرِ نگرانی ادارہ
ایک ہی چھت کے نیچے تمام اقسام کے معیاری لیبارٹری ٹیسٹ، ایکسرے ای سی جی اور الٹرا ساؤنڈ کی سہولیات

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی نگاہ میں قابلِ اعتماد ادارہ

خصوصی پیکج خصوصی میڈیکل چیک اپ ☆ الٹرا ساؤنڈ ☆ ای سی جی ☆ ہارٹ ☆ ایکسرے چیسٹ ☆ لیور ☆ کڈنی ☆ جوڑوں سے متعلقہ متعدد ٹیسٹ ا ہیپاٹائٹس بی اور سی ☆ بلڈ گروپ ☆ بلڈ شوگر ☆ مکمل بلڈ اور مکمل پیشاب ٹیسٹ صرف 1500 روپے میں کروائیں۔

تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ندائے خلافت کے قارئین اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ لیبارٹری سے حاصل کریں۔ ڈسکاؤنٹ کارڈ کا اطلاق خصوصی پیکج پر نہیں ہوگا۔

ISO 9001:2000
QMS CERTIFIED CLINICAL LAB
BY MOODY INTERNATIONAL

النصر لیب: 950۔بی، مولانا شوکت علی روڈ، فیصل ٹاؤن (نزد راوی ریسٹورنٹ) لاہور
فون: 5162185-5163924 موبائل: 0300-8400944
E-mail: alnasar@brain.net.pk Website: www.alnasar.com.pk

بیت المقدس کا معاہدہ

(جو خود حضرت عمرؓ کی موجودگی میں اور ان کے الفاظ میں لکھا گیا' ترجمہ حسبِ ذیل ہے)

''یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان' مال' گرجا' صلیب' تندرست' بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے۔ اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی' نہ وہ ڈھائے جائیں گے' نہ ان کو اور نہ ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا' نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں اُن پر جبر نہ کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ **ایلیاء میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے** ایلیاء والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا' اس کی جان اور مال کو امن ہے' تا کہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیاء ہی میں رہنا اختیار کرلے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا۔ اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے' یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں۔ اور جو کچھ اس تحریر میں ہے' اس پر خدا کا' رسولِ خدا کے خلفاء کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں' خالد بن الولید اور عمرو بن العاص اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور معاویہ بن ابی سفیان' اور (یہ معاہدہ) 15ھ میں لکھا گیا۔'' (بحوالہ: تاریخ ابو جعفر جریر طبریؒ)

قرآن اکیڈمی' جھنگ

کی مسجد تکمیل کے آخری مراحل میں ہے اور امسال حسبِ مشورہ نمازِ تراویح کے ساتھ ترجمۃ القرآن کا پروگرام یہیں ہوگا۔ جس میں مسجد کی آبادکاری کے پیشِ نظر حسبِ ذیل عمومی پیشکش کی جارہی ہے کہ جو حضرات رفقاء تنظیم واحباب رمضان المبارک کے دوران (3 اکتوبر شام 30 اکتوبر 05ء) یہاں ترجمۃ القرآن کے سلسلے کے لیے تشریف لائیں گے ان کے قیام و طعام کے اخراجات انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ برداشت کرے گی۔

توجہ طلب باتیں:

☆ تعلیم یافتہ حضرات قابلِ ترجیح ہوں گے۔ ☆ 18 سال سے زیادہ عمر والوں کو ترجیح دی جائے گی۔ ☆ موسم کے مطابق کمبل' چادر وغیرہ اور ذاتی استعمال کی اشیاء بھی ہمراہ لائیں۔ ☆ آنے کی اطلاع 30 ستمبر 05ء تک درج ذیل پتہ پر کرنا ہوگی۔ ☆ جھنگ میں قرآن اکیڈمی کے لیے ایوب چوک اتر کر ٹوبہ روڈ پر تیسرے کلومیٹر پر اکیڈمی کا سٹاپ ہے۔ اور مشرق کی جانب قریب ہی اکیڈمی ہے۔ ☆ شناختی کارڈ اور قریبی تنظیم کے ذمہ دار کا خط لائیں تو آسانی ہوگی۔

چشم براہ: صدر و اراکین انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2 (تیسرا کلومیٹر) ٹوبہ روڈ جھنگ صدر فون: 047-7628561 -047-7628361

اسرائیلی چالوں کو سمجھیے

اسرائیلی فوج کے غزہ پٹی سے انخلا کو مغربی ذرائع ابلاغ نے ایک بہت بڑا واقعہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس واقعے کی جو تصویر پیش کی ہے' اسے دیکھتے ہوئے لگتا ہے کہ اسرائیلی بڑے امن پسند اور رحم دل لوگ ہیں اور یہ فلسطینی ہیں جنہوں نے مشرق وسطیٰ کا امن خراب کر رکھا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس سے بڑا مذاق اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اسرائیلی حکومت نے دراصل غزہ کی پٹی خالی کر کے ایک چال چلی ہے...... وہ مغربی کنارے کو اسرائیل میں شامل کرنا چاہتی ہے۔ اس طرح وہ بیت المقدس پر بھی با آسانی قبضہ کر لے گی۔ ادھر ہمارے بھولے مسلم حکمران ہیں کہ غزہ کی پٹی سے اسرائیلی انخلا کو نیک شگون سمجھ کر اسرائیل کے قریب ہونے کے لیے بے تاب ہیں تاکہ اپنے ''آقا'' کو خوش کر سکیں۔

اسرائیل کے وزیراعظم اور صابرہ و شتیلہ میں ہزاروں فلسطینیوں کے قاتل ''ایریل شیرون'' نے امریکی اخبار ''واشنگٹن پوسٹ'' کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ اسرائیل مغربی کنارے میں یہودی بستیوں سے ہرگز دستبردار نہیں ہوگا' بلکہ وہاں یہودیوں کے لیے نئے گھروں کی تعمیر جاری رہے گی۔

یاد رہے کہ مغربی کنارے میں یہودیوں کی 124 بستیاں ہیں' جن میں دو لاکھ پینتالیس ہزار یہودی مقیم ہیں۔ اسرائیل نے 1967ء کی مشرق وسطیٰ جنگ میں مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی پر قبضہ کیا تھا۔ مغربی کنارے میں 24 لاکھ فلسطینی بھی آباد ہیں۔ عالمی عدالت دونوں علاقوں میں یہودی بستیوں کی تعمیر کو ناجائز قرار دے چکی ہے مگر اسرائیل نے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا۔ اس سلسلے میں اُسے اپنے ''پٹھو'' امریکا کی حمایت بھی حاصل ہے۔

غزہ کی پٹی سے جب یہودیوں کو نکالا گیا تو وہ روتے پیٹتے نکلے۔ کئی افراد کو اسرائیلی فوجیوں نے کھینچ کر نکالا۔ ان کی حالت زار دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ کئی نسلوں سے غزہ کی پٹی میں مقیم ہیں' حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ 1967ء سے یہودیوں نے رفتہ رفتہ ان فلسطینی علاقوں میں اپنے گھر بنا لیے اور وہاں کے ٹھیکے دار بن بیٹھے۔ اسرائیلی حکومت نے دامے درمے سخنے ان یہودیوں کو ہر ممکن امداد دی' تاکہ وہ فلسطینی علاقے میں مستحکم ہو سکیں۔ یہ بات عجیب نہیں کہ غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے میں بیشتر یہودی بستیاں تب تعمیر ہوئیں' جب ایریل شیرون وزیر تعمیرات (Housing) تھا۔

اسرائیلیوں کی آدھی صدی سے یہ پالیسی چلی آ رہی ہے کہ انہیں جو بات عالمی رائے عامہ سے تسلیم کرانا ہو تو اُسے ''زمینی حقائق'' قرار دے ڈالتے ہیں۔ مثلاً شیرون نے مغربی کنارے سے یہودی بستیاں نہ ہٹانے کا اعلان اس لیے کیا ہے کہ وہاں ہزاروں یہودیوں کو نکالنا ''بڑا مسئلہ'' ہے اور یہ ایک زمینی حقیقت ہے۔ اسی طرح ان بستیوں کے گرد تعمیر کی جانے والی دیوہیکل دیوار بھی ایک زمینی حقیقت ہے۔ جس کے ذریعے فلسطینی علاقوں کو ہڑپ کر جانے کا منصوبہ ہے۔ اسرائیلی حکومت اس دیوار کو ''دیوار حفاظت'' کہتی ہے' حالانکہ یہ نیم مردہ امن معاہدے کے تابوت میں ایک اور کیل ٹھوکنے کے مترادف ہے۔

اسرائیلی چالوں کو دیکھتے ہوئے فلسطینیوں کی تنظیم ''حماس'' نے اعلان کیا ہے کہ وہ اپنی مسلح جدوجہد آزادی جاری رکھے گی۔ اس تنظیم نے بجا طور پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ اسرائیلی اس کے خوف سے غزہ پٹی چھوڑ کر بھاگے ہیں۔ حماس کے خودکش حملہ آور اسرائیل اور مقبوضہ علاقوں میں کئی سو یہودیوں کو جہنم رسید کر چکے ہیں۔ آخرکار شیرون کو احساس ہو گیا کہ 8 ہزار افراد کی حفاظت کے لیے بہت بڑی فوج متعین کرنا خسارے کا سودا ہے۔

اس انخلا سے اسرائیلیوں کو ایک فائدہ یہ پہنچا ہے کہ عالمی طور پر انہیں امن پسند قوم کی حیثیت سے جانا جانے لگا ہے' حالانکہ سچ کیا ہے' یہ سب کو معلوم ہے۔ اسرائیل کی عیاری اور مکاری دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ فلسطینیوں کی مسلح جدوجہد جاری رہے گی اور وہ ایسا کرنے میں حق بجانب ہیں۔ انہیں احساس ہو گیا ہے کہ مذاکرات کے بہانے اسرائیلی زیادہ سے زیادہ وقت چاہتے ہیں' تاکہ ان کے علاقوں میں اپنی بستیاں آباد کر سکیں۔

ایریل شیرون کا گھناؤنا جرم

16 ستمبر 1982ء جدید انسانی تاریخ کا ایک سیاہ ترین دن ہے۔ اس روز لبنان میں فلسطینیوں کی دو خیمہ بستیوں ''صابرہ اور شتیلہ'' میں ہزاروں مرد و زن' بوڑھوں اور بچوں کو فلانجیوں اور اسرائیلی فوج نے شہید کر ڈالا۔ یہ سب شہداء معصوم اور نہتے شہری تھے' جو پہلے ہی اپنے وطن سے دور ان گنت مسائل کا شکار تھے۔

اسرائیل کا موجودہ وزیراعظم اس وقت وزیر دفاع تھا۔ اس نے 22 ستمبر کو اسرائیلی پارلیمان (کنسیٹ) کو بتایا کہ 15 ستمبر کو یہ طے کر لیا گیا تھا کہ اسرائیلی اتحادی' فلانجی بیروت میں واقع دونوں ریفیوجی کیمپوں میں داخل ہو جائیں گے۔ اسرائیلی فوج کیمپوں کا محاصرہ کرے گی تاکہ کوئی فلسطینی فرار نہ ہو سکے۔

15 ستمبر کی صبح اسرائیلی فوج صابرہ اور شتیلہ کا محاصرہ کرنے لگی اس وقت جنرل ایریل شیرون بنفس نفیس موجود اور موقع پر ہدایات دے رہا تھا۔ دوپہر تک اسرائیلی ٹینکوں نے محاصرہ مکمل کر لیا۔ اگلے دن منصوبے کے مطابق اسرائیلی ٹینک کیمپوں پر گولہ باری کرنے لگے' تاکہ وہاں موجود ''دہشت گردوں'' کو مطلع کیا جا سکے کہ ہم آ گئے ہیں۔

16 ستمبر کی دوپہر اسرائیلی فوج نے فلانجیوں کو خیمہ بستیوں میں داخل ہونے کا اشارہ کر دیا۔ 150 سے 200 جدید ہتھیاروں سے لیس فلانجیوں نے اگلے چالیس گھنٹوں میں نہتے فلسطینیوں پر وہ ظلم ڈھائے کہ شیطان بھی شرما گیا ہوگا۔ انہوں نے مرد و زن کو گولیوں سے اڑا دیا' خواتین کی بے حرمتی کی اور بچوں کو بھی معاف نہ کیا۔ اس حملے سے قبل اسرائیلی فوج کے کمانڈر نے ایریل شیرون کو فون کر کے بتایا' ''ہمارے دوست کیمپوں میں داخل ہو چکے ہیں''۔ شیرون نے جواب دیا' ''مبارک باد! یہ منصوبہ کامیاب ہوگا۔''

ایک اندازے کے مطابق فلانجیوں اور اسرائیلیوں کے اس قتل عام میں کم از کم 3500 بے گناہ فلسطینی شہید ہوئے۔ اس قتل عام کے سلسلے میں لبنان یا کہیں اور کوئی عدالتی کارروائی نہیں ہوئی۔ جب مسلم دنیا میں مظاہرے ہوئے تو مجبور ہو کر اسرائیل نے ایک کمیشن بٹھا دیا جس کا سربراہ یتزک کاہن تھا۔ وہ محدود اختیارات والا کمیشن تھا' اس کے باوجود اس نے قتل عام کا مجرم وزیر دفاع کو قرار دیا۔ اس پر ایریل شیرون نے استعفیٰ دے دیا مگر اسرائیل تو کیا دنیا کی کسی عدالت میں مجرم کے خلاف مقدمہ نہیں چلا۔

اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل نے قرارداد 521 (19 ستمبر 1982ء) کے ذریعے اس قتل عام کو ''نسل کشی کا واقعہ'' قرار دیا۔ ان تمام حقائق کے باوجود یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ بش اور ٹونی بلیئر اس شخص کی حمایت کر رہے ہیں جو نسل کشی کے خوفناک واقعے کا مجرم ہے۔

اگر مغربی طاقتیں یہ نہیں دیکھ سکتیں کہ موجودہ دور کے سب سے بڑے دہشت گرد کون ہیں تو دہشت گردی کے خلاف مہم چلانے کا کیا فائدہ؟ یاد رہے کہ سابق امریکی صدر کی اہلیہ ہیلری کلنٹن نے حال ہی میں ایریل شیرون اور اس کی ''حکومت'' کی تعریفوں کے پل باندھے تھے اور اُسے عرب ممالک کے لیے ''رول ماڈل'' قرار دیا تھا۔

leader, whose character and physical person is taken to represent the essence of the nation. This identification was one of the distinguishing marks of twentieth-century fascism, especially as manifested in Italy and Germany.

Serving as catalyst in combining the two elements already mentioned is a third, no less important element: deliberate irrationalism. Sometimes an attitude, sometimes a manipulative device, sometimes a seriously proposed methodology, the express denial of the competence of reason to guide human life opens the door to acts, claims and outright lies immune to effective criticism. From now onwards any word of criticism of Bush and Blair's policies would be considered extremism and all those critics will be blacklisted, because their criticism could "indirectly" lead to "terrorism."

Many varieties of philosophic irrationalism have achieved great popularity, from that of the early Christians (said Tertullian: "Credo, quia impossibile"-"I believe it because it is impossible") through its more sophisticated versions in Schopenhauer and Bergson and some contemporary existentialists. But the full-blooded application of irrationalism to politics develops only in the 21st century with the deliberate manufactured myths of racial, religious and social superiority embedded in deep nationalistic sentiments. Pages of the so-called liberal The New York Times are littered with such manufactured myths, not to speak of others who have turned outright lies into facts for consolidating these myths.

It is perhaps overly simple, but not incorrect, to describe 21st century fascism as the commingling of these traditions of absolutism, organicism, and irrationalism taken to an extreme by an invisible alliance of the neocons, Zionists and leading religious fanatics. Its roots go very deep, but its classical statement was not given until this century, when the hardest realities of its practice have become clear after the staged terrorist attacks and occupation of more Muslim countries.

QURAN COLLEGE OF ARTS & SCIENCE
Registered & Recognised by the BISE Lahore

دنیوی اور دینی تعلیم کا حسین امتزاج

قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس

Classes:

نگران وسرپرست : ڈاکٹر اسرار احمد

- FA (Arts Group)
- FA (General Science)
- I.Com (Banking/Computer)
- ICS (Math+Stat+Computer Science)
- BA (Ecomomics+Maths)
- BA (Other Combination)

o بی اے (سال اول) کے داخلے 17 ستمبر تک جاری ہیں۔ 19 ستمبر سے کلاسز کا آغاز ہو جائے گا۔
o ایف اے کے داخلوں کی آخری تاریخ (لیٹ فیس کے ساتھ) 24 ستمبر ہے۔

- ایک مکمل تعلیمی و تربیتی پروگرام
- بنیادی دینی تعلیم کا خصوصی اہتمام
- بورڈ اور یونیورسٹی کے نصاب تعلیم کی معیاری تدریس
- آڈیو اور ویڈیو سہولتوں سے آراستہ
- لاہور کے خوبصورت اور پرسکون علاقے میں شاندار عمارت
- انتہائی محنتی اور قابل اساتذہ
- ہم نصابی سرگرمیوں میں تحریر و تقریر پر خصوصی توجہ
- مثالی نظم وضبط
- وسیع وعریض، قابل دید، ایئر کنڈیشنڈ آڈیٹوریم
- ہاسٹل کی محدود سہولت، فرنشڈ کمرے
- کمپیوٹر اپلیکیشنز میں Office 2000 کی لازمی اور مفت تعلیم

مزید تفصیلات کے لئے درج ذیل پتے سے پراسپکٹس طلب کیجئے

قرآن کالج ۱۹۱ اتاترک بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور ☎ : 5833637

طوبیٰ گرلز کالج لاہور

داخلہ جاری ہے

برائے انٹرمیڈیٹ و بی اے کلاسز

☆ دینی ذہن رکھنے والے گھرانوں کی بچیوں کے لیے تعلیمی و تربیتی مرکز
☆ قابل اور کوالیفائیڈ فیکلٹی
☆ باپردہ ماحول اور دینی تعلیم و تربیت کی اضافی سہولت
☆ لاہور بورڈ اور پنجاب یونیورسٹی میں نمایاں پوزیشنیں
☆ قریبی علاقوں سے ٹرانسپورٹ کی سہولت

78، سیکٹر A-1، ٹاؤن شپ لاہور۔فون: 5114581

Vol: 14 Regd. No. LRL -50 No.35

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeemorg)

Understanding Bush and Blair's way of life

As we hear from Bush, Blair and an unlimited number of media GIs and presstitutes, we are now in the midst of a conflict which involves the deepest and dearest interest of every individual of the human race: "Our way of life." Upon its result depends the misery or happiness of the present and future genera-tions.

It is a contest between the few in power in the US, Israel, UK and a few other allied countries, who believe, that it is for their individual and corporate interest that man should continue to be kept in igno-rance, and be governed, as heretofore, by lies, force and fraud; and those who are convinced, that for real happiness and satisfaction, human beings should be henceforward governed by truth and justice only.

A new global revolution is in the making. This is the revolution which the progress of knowledge and information sharing now requires from the totalitarians a fundamental shift in the arrangement of society and treatment of other nations, which will essentially promote the interest and hap-piness of all, not just the former and present colonial masters. Are these totalitarians ready for the change? There statements suggest, not.

The modern means of communication have rendered the main organ for the promotion of lies and deception – the "mainstream" media — ineffective. This development also renders a revolution of the masses so irresistible that no earthly power can prevent, or much retard its course. Irrespective of the coming oppression to silence all critics, the impending revolution will be effected either by reason, or by force.

None of the "enemies" has claimed that that he is against Bush or Blair's way of life. Bush and company, however, have nothing other than saying that this is a war on our way or life. The "way of life" which Bush and Blair refer to is derived solely from the imperial instincts, a sense of absolutism and prejudices for or against religious beliefs, parties and countries. This way of life is destined by the common consent of all to die its natural death.

20th century manifestation of such a way of life was called "Fascism." In 21st century, it is the same thing but the fascists call it "freedom and democracy." The original fasces were bundles of thin rods bound together with an ax among them; they were carried before the highest magistrates of imperial Rome as a symbol of authority and of the strength that comes from tight unity. Recent fascism is distinguished not by the novelty of its elements or the profundity of its thought but by the flair and efficiency with which these elements have been interwoven and presented as the most humane ideology and civilized way of life.

Although not especially complex intrinsically, 21st century fascism as a political philosophy is difficult to define or explicate because of its eclectic and irrational character. Fascist thinkers in media, academic and politics borrowed freely from both ancients and moderns and emerged with a potpourri of ways and means to impose their will on the world in the name of promoting freedom and democracy that these can hardly be called a doctrine, possible to present as a coherent system.

Within this mixture of past and present, of principles and dogmas and expedients, three dominant streams of thought may be distinguished. Modern day fascism may perhaps be best understood as a contemporary blend of these three religio-philosophical traditions.

The first is the absolutist tradition. Since the total focus of 21st century fascism is domination of the Muslim world, for which control at home is also a necessary element, on this view, the powers of government in the Muslim world must lie entirely in the hands of one powerful person – the prince, or a general, or a sheikh, mini-Il Duce or mini-Der Fuhrer. To hell with democracy in places such Saudi Arabia, Pakistan, Uzbekistan, Egypt, etc. At home winning through Supreme Court or rigging is of little concern as long as the tyrant in chief comes to power.

Such absolutism has many ramifications. It largely determines the principles of organization within the state, which are authoritarian and generally patterned on military lines. Irrespective of the title, democracy or otherwise, all authority exercised by or in behalf of the state stems from the person at the top, and rights enjoyed in every sphere are owed to him; while on every subordinate echelon the principal duties are those of obedience and responsibility to superiors. Again, the person at the top is above the law. It hardly matters if he lied through his teeth and killed more than 128,000 people along with close to 2000 of his own. The standards of conduct that apply to him, therefore, are not those that apply to the private citizen; he may be judged, as leader, only by his success in maintaining and extending his power and the power of his state. The result is rightly called Machiavellianism, for fascist dictators have generally acted under Machiavelli's principle that "if the act accuse him, the result will excuse him."

The second leading element in 21st century fascism is organicism. According to this theory not only a nation, but the whole West, is properly understood to be an organic unity, like a human being, with a larger interest, or general will, that is necessarily superior to the interest or will of others, particularly the Muslims. Carried to its extremes, organicism has lead to the conclusion that the Western States have not only an organic reality but a super-reality, so awesome that their apparent will is the true will of subordinate citizens, whether they think so or not. Nothing may then obstruct this super-organism from liquidating all elements within and outside it that interfere with the achievement of its totalitarian objectives.

Some have gone so far as to elevate the xenophobic state approach to an object of worship or a way of life, having supernatural or divine attributes. One serious problem for this approach is that of determining what this way of life really is and how it is to be known because a constant rant of human rights and democracy and freedom means nothing compared to their barbarism on open display.

This problem is resolved, sometimes painfully, when the theories of organicism and absolutism are combined. The general way of life and will of the people is identified with the will of its